تاریخِ مساجد

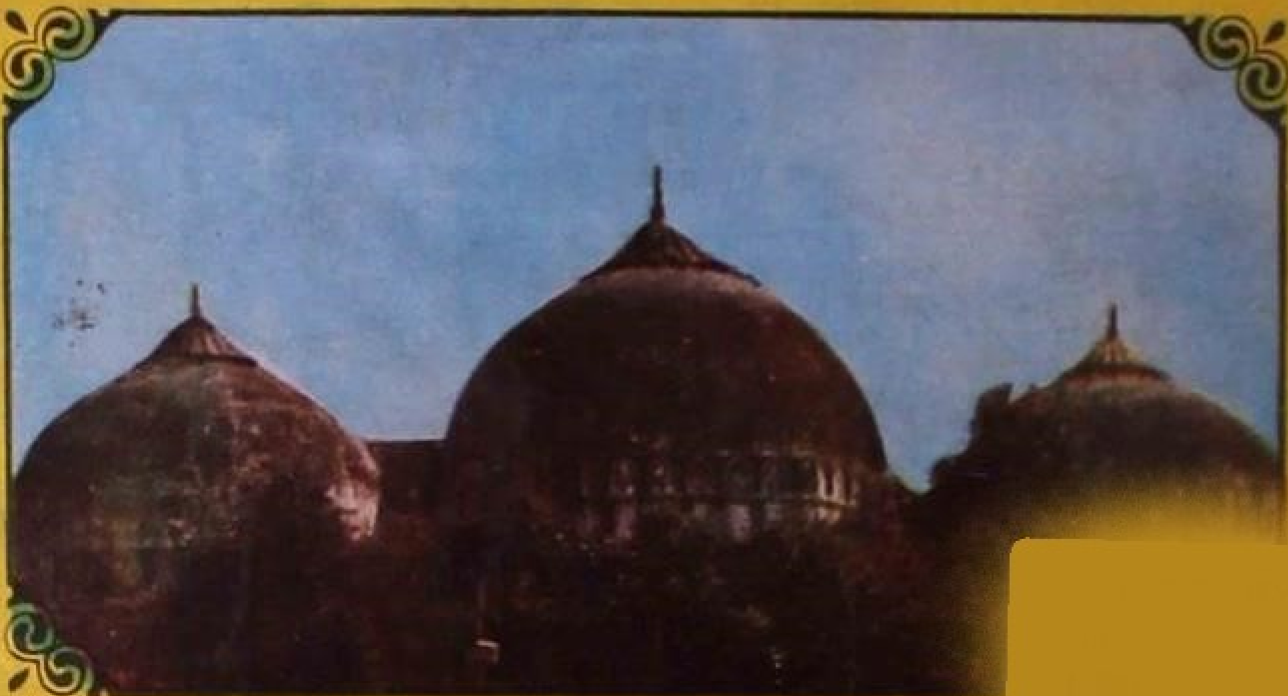

مفتی ظفیر الدین

ناشر مولانا صدر الحسن قاسمی جامع مسجد جموں توی

Mahmood Ali Collection

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝

تاریخ مساجد جلد اوّل

تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی
مفتی دار العلوم دیوبند

ناشر

مولانا صدر الحسن قاسمی
خطیب وامام جامع مسجد جموں توی

M70T

LIBRARY
JAMIA HAMDARD
U109780

...فوظ ہیں

نام کتاب ———— تاریخ مساجد جلد اول

نام مؤلف ———— حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب
مفتی دار العلوم دیوبند

سن طباعت ———— ربیع الاول ۱۴۱۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۰ء

ضخامت ———— ۲۷۲ صفحات

تعداد طباعت ———— ایک ہزار

قیمت ———— 40/00

ناشر ———— مولانا ضیاء الحسن قاسمی

کتابت ———— فضل الرحمٰن قاسمی دربھنگوی

مطبع ————

JAMIA HAMDARD
ACC No. U-109780
DATE 21.11.06
LIBRARY

ملنے کے پتے

(۱) قاسمی کتب خانہ جامع مسجد تالاب کھٹیکاں جموں توی
(۲) ناز پبلشنگ ہاؤس پہاڑی بھوجلہ دہلی ۶
(۳) ادارہ اشاعت دینیات (پرائیویٹ لمیٹڈ)
حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی ۱۳۔
(۴) ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶
(۵) اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی ۲
(۶) شیخ محمد عثمان اینڈ سنز گاؤکدل چوک سرینگر کشمیر

فہرست مضامین تاریخ مساجد جلد اوّل

تعارف از حضرت امیر شریعت مدظلہٗ — ۱۰

حرف آغاز از قلم حضرت مولانا گیلانی رحمہ اللہ — ۱۳

تاریخ مساجد جلد اول	۱۶	حضرت عثمانؓ کی تعمیر	۳۸
عرض ناشر	۲۱	ولید بن عبدالملک کا اضافہ	"
مسجد حرام اور کعبہ مکرمہ	۲۴	سلطان ناصر کی تعمیر	۳۹
تعمیر کعبہ	۲۵	تعمیر سلطان عبدالمجید خاں	"
تعمیر ابراہیمی	"	اضافہ عہد سعودی میں	۴۰
تعمیر قریش	۲۶		
تعمیر عبداللہ بن زبیر	۲۸	عہد نبوی کی نشاندہی	۴۱
تعمیر حجاج بن یوسف ثقفی	۲۹	منبر مسجد نبوی	۴۲
تعمیر سلطان مراد رابع	۳۰	منبر کے زینوں میں اضافہ	۴۳
کعبہ کی پیمائش	"	مسجد نبوی کے مینار	۴۴
صحن کعبہ	۳۱	مسجد اقصیٰ (بیت المقدس)	۴۶
اضافے	"	مسجد کا طول و عرض	۴۷
دالان	۳۲	مسجد عمرؓ کہنے کی وجہ	"
دور سعودی میں اضافہ	"	حضرت عمرؓ کی سعی	۴۸
منبر مسجد حرام	۳۴	گنبد مسجد	۴۹
کعبہ سے عقیدت	۳۵		
مسجد حرام میں نماز کا ثواب	"	اس مسجد سے یہود و نصاریٰ کی عقیدت	۵۰
مسجد نبوی مدینہ منورہ	۳۷		
مسجد کی فکر	۳۷	فتح سلطان صلاح الدین ایوبی	"
مسجد نبوی کی توسیع	۳۸		

برطانیہ کا قبضہ اور حکومت اسرائیل کا قیام	۵۱
مسجد اقصیٰ کی فضیلت	//
مسجد قبا	۵۳
توسیع اول	۵۴
عمارت کی تجدید	۵۵
مینار مسجد	//
صحن مسجد	//
سن ہجری کی ابتداء	۵٦
جامع مسجد بصرہ	۵۷
مسجد کی عمارت میں تبدیلی	//
توسیع بعہد حضرت معاویہؓ	//
مسجد میں مقصورہ کی ابتداء	۵۸
عہد مہدی میں مزید توسیع	۵۹
ابن بطوطہ کا بیان	//
جامع مسجد کوفہ	٦١
ابن بطوطہ بیان	٦٢
جامع مسجد قیروان (افریقہ)	٦۴
جامع مسجد عباسیہ افریقہ	٦٧
مسجد سدی عقبہ افریقہ	٦٨
مسجد مولی امراکش	//
مسجد مدائن و مسجد واسط	٦٩
جامع اموی دمشق	٧٠
طول و عرض	٧٠
سمت قبلہ	٧١
مسجد کی آراستگی	//
نمازی اور تلاوت کرنیوالے	٧٢
ولید بن عبدالملک کی فیاضی	//
صحن مسجد	٧٣
مقصورہ اور محرابیں	//
قبر حضرت زکریا علیہ السلام	٧۴
ختم قرآن کا اہتمام	//
مجاورین و ذاکرین	//
دروازے	//
ائمہ مسجد	٧۵
درس و تدریس کے حلقے	//
تیمورلنگ کا حملہ اور بربادی	//
مسجد ا[illegible]ئے تعمیریں	//
نمازیوں ے لئے سہولتیں	٧٧
مسجد کی آرائش کا حال	//
مسجد کی گھڑی	//
مسجد عتیق شیراز	٧٩

شیراز کی ایک دوسری مسجد	۸۰
جامع مسجد سرّ من رای	۸۲
جامع مسجد تبریز	۸۳
الجامع الکبیر الجزائر	۸۴
جامع مسجد قرطبہ (اندلس)	۸۵
جامع مسجد کی بنیاد	״
سلطان مزدوروں میں	۸۶
باپ کے بعد بیٹا	۸۷
بعد والوں کی خدمت مسجد	״
مقصورہ	״
تعلیم وطلبہ	۸۸
روشنی کا انتظام	״
رمضان میں اہتمام	۸۹
مینار مسجد	۹۰
طول وعرض	״
عورتوں کے لئے مخصوص انتظام	۹۱
ستونوں کی تعداد	״
محراب وقبہ	۹۲
مینار مسجد	۹۳
عیسائیوں کے مظالم	״
ایک انگریز کا بیان	۹۴

مسجد مدینۃ الزہرا اندلس	۹۵
جامع عمرو بن العاص مصر	۹۶
مسجد کی توسیع	״
دوبارہ تعمیر	۹۷
مسجد سے سلطان مصر کی دلچسپی	״
درس وتدریس کے حلقے	۹۸
مسجد کی رونق	״
محمد علی پاشا کی توجہ	۹۹
مسجد کی عمارت	۱۰۰
جامع مسجد فسطاط مصر	۱۰۱
قدیم مصری مسجدوں کی خصوصیات	۱۰۲
جامع ابن طولون مصر	۱۰۳
مسجد قلاوون مصر	۱۰۵
جامع ازہر مصر	۱۰۶
جامع حسن مصر	۱۰۸
مسجد کی بناوٹ	״
بانی مسجد کی قبر	۱۰۹
مرمت کی ضرورت	״
مسجد محمد علی پاشا مصر	۱۱۰
مسجد المؤید مصر	۱۱۱
مسجد سعدی بومدین تلمسان	״

جامع مسجد ایا صوفیہ استنبول	۱۱۲
مسجد قوۃ الاسلام دہلی	۱۱۵
جامع مسجد دہلی	۱۱۸
ہر سہ طرف دالان	۱۲۱
جنوبی دروازہ	۱۲۲
شمالی دروازہ	״
مشرقی دروازہ	״
مسجد کی آمدنی	۱۲۳
مینار مسجد	״
مسجد فتحپوری دہلی	۱۲۶
موتی مسجد شاہ عالم دہلی	۱۲۷
سنہری مسجد کوتوالی دہلی	۱۲۸
موتی مسجد لال قلعہ دہلی	۱۲۹
چوبی مسجد لال قلعہ دہلی	۱۳۱
مسجد اکبر آبادی دہلی	۱۳۲
مسجد و مدرسہ شرف الدولہ دہلی	۱۳۵
مسجد درگاہ نظام الدین دہلی	۱۳۶
مسجد کوٹلہ دہلی	۱۳۷
جامع مسجد فیروزی دہلی	۱۳۸
مسجد قلعہ کہنہ دہلی	۱۳۹
مسجد سرہندی دہلی	۱۴۰
فخر المساجد دہلی	۱۴۱
مسجد روشن الدولہ دہلی	۱۴۲
مسجد اورنگ آبادی دہلی	۱۴۳
زینت المساجد دہلی	۱۴۴
سنہری مسجد دہلی	۱۴۵
مسجد عیسیٰ خاں دہلی	۱۴۶
مسجد کالو سرائے دہلی	״
مسجد حضرت قطب صاحبؒ دہلی	۱۴۷
مسجد بیگم پور دہلی	״
مسجد قلعہ ہمایون دہلی	۱۴۸
موٹھ کی مسجد دہلی	۱۴۹
مسجد کھڑکی دہلی	۱۵۰
کالی یا کلاں مسجد دہلی	۱۵۱
مسجد چوراہٹہ دہلی	۱۵۲
موتی مسجد آگرہ	۱۵۳
جامع مسجد آگرہ	۱۵۵
مسجد فتحپور سیکری	۱۵۶
شاہی مسجد لاہور	۱۵۸
مسجد متصل مقبرہ جہانگیر لاہور	۱۶۰

مسجد مقبرہ نورجہاں لاہور ۱۶۰
موتی مسجد قلعہ لاہور ۱۶۱
مسجد بیگم پورہ لاہور ۱۶۳
مسجد قلعہ لاہور ۱۶۵
نگینہ مسجد قلعہ لاہور ۱۶۶
مسجد وزیر خاں لاہور ″
جامع مسجد ملتان ۱۶۷
مسجد درانی ملتان ″
جامع مسجد الہ آباد ۱۶۸
مسجد باغ شاہی الہ آباد ۱۶۹
مسجد اٹالہ جونپور ۱۷۰
جامع مسجد جون پور ۱۷۲
جامع شاہی مئو ۱۷۳
مسجد آستانہ غازیپور ۱۷۷
جامع مسجد پلکھنہ علی گڈھ ۱۷۸
مسجد فتح گڈھ ۱۷۹
جامع مسجد اٹاوہ ۱۸۰
مسجد قنوج ″
جامع مسجد بنارس ۱۸۱
مسجد دھرہرہ بنارس ۱۸۵
ایک کھمبا کی مسجد بنارس ۱۸۶
مسجد کرارہ بنارس ۱۸۷
شکرتالاب کی مسجد بنارس ۱۸۸
مسجد راجہ بی بی بنارس ۱۸۹
عیدگاہ لاٹھ بھیروں بنارس ۱۹۰
مسجد گنج شہیداں بنارس ۱۹۲
خواجہ جی مسجد بنارس ۱۹۴
مسجد فیروز شاہی بنارس ۱۹۵
مسجد چوکھمبہ بنارس ۱۹۶
مسجد تلیا نالہ بنارس ۱۹۷
مسجد ڈھائی کنگرہ بنارس ۱۹۸
مسجد ٹھٹھری بازار بنارس ۱۹۹
بابری مسجد اجودھیا ۲۰۰
مسجد دارالعلوم دیوبند ۲۰۳
عظیم الشان نئی مسجد دارالعلوم دیوبند ۲۰۶
مسجد چھتہ دیوبند ۲۰۹
مسجد قلعہ دیوبند ۲۱۱
جامع مسجد دیوبند ۲۱۳
آدینی مسجد دیوبند ۲۱۵
مسجد خانقاہ دیوبند ۲۱۶
پیروالی مسجد تھانہ بھون ۲۱۷

پتھر کی مسجد پٹنہ ۲۲۰
سیف خاں کی مسجد پٹنہ ۲۲۲
مسجد فخر الدولہ پٹنہ ۲۲۴
مسجد بزرگ امید خاں پٹنہ ۲۲۵
جامع مسجد خانقاہ مونگیر ۲۲۶
سنگی مسجد حاجی پور ۲۲۹
شاہی مسجد سکندر پور چک نعمت مہوا ۲۳۱
مسجد آدینہ بنگال ۲۳۲
مکہ مسجد حیدر آباد ۲۳۳
مسجد شاہ گنج اورنگ آباد ۲۳۴
جامع مسجد برہانپور ۲۳۵
جامع مسجد منڈو ۲۳۷
جامع مسجد احمد آباد ۲۳۸
رانی سپری کی مسجد احمد آباد ۲۳۹
شیدی سعید کی مسجد احمد آباد ۲۴۰
ہیبت خاں کی مسجد احمد آباد ۲۴۲
مسجد احمد آباد ۲۴۳
جامع مسجد سرینگر ۲۴۴
ہمدانی مسجد سرینگر ۲۴۷
مسجد جہاں آرا بیگم کشمیر ۲۴۸
جامع مسجد جموں توی ۲۴۹
تاج المساجد بھوپال ۲۵۱
نور مسجد بھوپال ۲۵۳
عیدگاہ شاہجہاں آباد بھوپال 〃
موتی مسجد بھوپال ۲۵۴
جامع مسجد بھوپال 〃
جامع مسجد شاہجہانی اجمیر ۲۵۵
مسجد سرائے اجمیر ۲۵۶
مسجد اکبری اجمیر ۲۵۷
مسجد گیسو خاں اجمیر ۲۵۸
عیدگاہ اجمیر 〃
ڈھائی دن کی مسجد اجمیر ۲۵۹
مسجد سلطان خلجی اجمیر ۲۶۰
اولیاء مسجد قلندری اجمیر ۲۶۱
شاہجہانی مسجد اجمیر 〃
مسجد قلعہ گلبرگہ ۲۶۲
جامع مسجد بیجاپور ۲۶۳

مسجد افضل خاں بیجاپور	۲۶۵	ملکہ جہاں کی مسجد بیجاپور	۲۷۰
بخاری مسجد بیجاپور	〃	ابراہیم کی جامع مسجد بیجاپور	〃
جامع مسجد شدی مسعود خاں بیجاپور	۲۶۶	زنانہ مسجد اندرون قلعہ بیجاپور	۲۷۱
مسجد رائلان بیجاپور	۲۶۸		
انڈو مسجد بیجاپور	۲۶۹	مسجد پیر حیدر بیجاپور	〃
مسجد مصطفےٰ خاں بیجاپور	〃	جامع مسجد ۱۰۹۱ھ بیجاپور	۲۷۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

از امیر شریعت بہار و اڑیسہ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی مدظلہ
جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

مسجدیں خدا کا گھر ہیں، مسجدیں شعائر اللہ ہیں، مسجدیں ایمانی زندگی اور اسلامی معاشرہ کا مرکز ہیں، جہاں خدائے وحدہ لاشریک کے حضور سر تسلیم خم کیا جاتا ہے، اور سر جھکا کر عمل کی بلندی حاصل ہوتی ہے جہاں سے زندگی کو تابندگی اور معاشرہ کو حیات بخش پیغام ملتا ہے، اس لئے خدائے تعالیٰ نے تعمیر مساجد کا کام انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا، تاریخ انسانی کی سب سے پہلی مسجد حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں مکہ مکرمہ میں تعمیر ہوئی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ پہنچتے پہنچتے سب سے پہلے مسجد قبار کی جگہ متعین فرمائی، پھر مسجد نبوی کا نمبر آیا، اور اس طرح مدینہ طیبہ میں اسلامی معاشرہ کی باقاعدہ بسم اللہ ہوئی، یہ کام اتنا اہم اور دور رس اثرات والا تھا کہ تعمیر مسجد پر جنت کی بشارت دی گئی، من بنیٰ للہ مسجد ا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ۔ مسجد کے آباد رکھنے کو ایمان و یقین کی علامت قرار دیا گیا، اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ اسی لئے خدا کے گھر کی تعمیر کا اہتمام ہر اس خطہ پر کیا گیا جہاں خدا کے نام لیوا، اور حضرت

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت کے طلبگار موجود ہیں، بڑی ہو یا چھوٹی، سادگی کی مثال ہو، یا مینا کاری اور پچی کاری کا نمونہ، پختہ ہو یا خام، مگر مسلمانوں کی ہر آبادی میں مسجدیں بنائی گئی ہیں۔ اور بہت پاک مال سے، بڑے اخلاص کے ساتھ، بنائی جاتی رہی ہیں، اس میں یہ احساس بھی شامل رہا ہے کہ یہ خانۂ خدا، خدا کی عبادت اور مخلوق خدا کی رشد و ہدایت کے ساتھ معاشرتی زندگی کا مرکز بھی ہو گا ——— اسی لئے بہت ساری مسجدوں کا امتیاز بھی قائم ہوتا رہا ہے، اسلامی تاریخ میں کچھ مسجدوں کے ساتھ انقلاب و جہاد کی تاریخ جڑی ہوئی ہے، کچھ مسجدیں اولیاء اللہ کی وجہ سے اصلاح باطن کا مرکز رہی ہیں، کچھ مسجدیں فن تعمیر کا نادر نمونہ، اور حسن و کشش میں مثال ہیں، اور وہ اپنے فن کا اچھوتا نمونہ ہیں۔

ماضی کے کارنامے مستقبل کو حوصلہ دیتے ہیں، تعمیر مساجد کے کارنامے بھی ہماری زندگیوں پر گہرے اثرات چھوڑ سکتے ہیں، اس لئے ضرورت تھی کہ مسجدوں کی تاریخ مرتب کی جائے، خدا کا فضل ہے کہ اس اہم کام کی ابتداء ہو گئی — ہمارے عزیز محترم مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی نے تاریخ مساجد کی پہلی جلد مرتب کر لی ہے، اور اپنے ذوق و نظر سے ڈیڑھ سو مسجدوں کو منتخب کر کے ان کا تذکرہ محفوظ کر دیا ہے، ان مسجدوں میں بیت اللہ الحرام مکہ مکرمہ اور مسجد نبوی مدینہ طیبہ سے لے کر ہندوستان تک کی مسجدوں کا تذکرہ ہے، ان مساجد کی فہرست سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھوں نے بڑی تلاش و تحقیق کے ساتھ یہ کتاب لکھی ہے، اور شکر کو چیونٹے کے منھ سے جمع کیا ہے۔

عزیز محترم مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی علمی اور دینی حلقہ میں بہت جانی پہچانی شخصیت کے مالک ہیں، وہ لانبے عرصہ سے علمی و تحقیقی و تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں، ان کی بہت سی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، اور ذوق و شوق کے ساتھ پڑھی گئی ہیں۔ اور کاموں کے علاوہ صرف فتاویٰ دار العلوم کی تحقیق، انتخراج اور ترتیب ہی اتنا بڑا اور اہم کارنامہ ہے جو ان کے علمی و تحقیقی وقار و اعتبار کو ممتاز کرتا ہے ـــــ خدائے تعالیٰ نے ان کے وقت میں برکت اور خدمات کو قبولیت سے نوازا ہے، صرف فتاویٰ دار العلوم ہی نہیں، نظام مساجد، نظام عفت و عصمت، نظام امن، سیرت و سوانح، اور متعدد موضوعات پر ان کی کتابیں آئیں، اور ہاتھوں ہاتھ لی گئیں۔

اب انہوں نے تاریخ مساجد کا کام شروع کیا ہے، یہ کام بہت پھیلا ہوا ہے، خدا کا فضل ہے کتاب کی پہلی جلد آپ کے سامنے ہے انشاء اللہ وہ یہ کام بھی پورا کریں گے، ان کی یہ کتاب بھی معیاری ہوگی، اور اسے قبولیت حاصل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ان کے حوصلوں کو بلند رکھے، صحت و توانائی کے ساتھ انھیں علمی و دینی خدمات کا موقعہ دیتا رہے، اور ان کی کتابیں ملت کے لئے دلیل راہ و نشان منزل اور ان کے لئے زاد سفر اور توشہ آخرت ثابت ہوں، آمین

منت اللہ

خانقاہ مونگیر

۸ر صفر ۱۴۱۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

مفکر اسلام حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد

مولانائے محترم!   وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ملنے کے بعد دل آپ سے مل گیا تھا، اس لئے کبھی کبھی خیال آپ کا آتا رہا، برہان (دہلی) میں آپ کے مضمون کی متعدد قسطیں نظر سے گذریں، ماشاء اللہ آپ نے بڑی محنت کی ہے، انشاء اللہ آئندہ آپ سے توقع ہے کہ زیادہ بہتر کام قدرت لے گی۔

تاریخ المساجد کا کام آپ نے شروع کر دیا، اس سے خوشی ہوئی آپ نے یہ اچھی بات سوچی ہے کہ کچھ دن دارالمصنفین میں جا کر قیام فرمائیں، جو سرمایہ وہاں مل سکتا ہے، ہندوستان میں شاید کہیں نہیں مل سکتا، خصوصاً مسلمان جغرافیہ نویسوں کی کتابیں، مسجد کی تعمیری خصوصیتوں سے زیادہ اس پر توجہ رکھیے کہ مسلمان اپنی مسجدوں سے کیا کیا کام لیتے تھے، خصوصاً درس وتدریس کا کام، گویا آپ کی یہ کتاب اس کے بعد المساجد کے ساتھ المدارس کی بھی تاریخ ہو جائے گی، بلکہ ممکن ہے القضا کی بھی، کام بڑا دلچسپ ہے، مختلف مدارس میں ایسے علماء

جنہیں اسلامی تاریخ میں یہ حیثیت حاصل ہے، ان کے حالات کا بھی ضمناً ذکر کیجئے، مدارس کے ساتھ خانقاہوں یعنی تصفیہ باطنی کا کام بھی بعض مدارس سے لیا گیا ہے، اس کو بھی پیش نظر رکھئے۔

بہرحال آپ آنکھیں بند کر کے ابھی صرف اپنی کتاب کی تیاری میں مشغول رہئے، اور جو کام آپ کا نہیں ہے اس کو سوچئے بھی نہیں، کام جب پورا ہو جائے گا تو انشاء اللہ جہاں تک میری رسائی ہے کوشش کروں گا، اس کتاب کے لئے چاہئے تو یہ کہ کم از کم جو مسجدیں پردۂ دنیا پر موجود ہیں، ان کے فوٹو بھی اس میں شریک کئے جائیں، مگر اس کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے،..... نظام المساجد کے مقدمہ کی ضرورت کب تک پیش آئے گی؟

میرا تو جی چاہتا تھا کہ تاریخ المساجد پر مقدمہ آپ مجھ سے لکھواتے، اس وقت تک آپ کا یہ نیازمند زندہ رہا تو تعمیل ارشاد کو اپنی سعادت خیال کریگا۔

نیازمند ۔ مناظر احسن گیلانی

۱۵ر محرم ۱۳۶۹ھ

یہ پہلا خط ہے جو ملاقات کے بعد خاکسار کے نام بذریعہ ڈاک حضرت اقدس نے تحریر فرمایا تھا۔

ایک دوسرے خط میں تحریر فرمایا۔

"تاریخ المساجد" کے سلسلہ میں عرض کرنا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس کے پیچھے پڑ کر دوسری چیزوں کو چھوڑ بیٹھیں، مطلب یہ ہے کہ آپ کی تحریری و انشائی

صلاحیتوں کو دیکھ کر میں توقع کرتا ہوں کہ جیسے مشق و تجربہ
آپ کا بڑھتا جائیگا، انشاءاللہ ایک پختہ کار مصنف
بن کر اسلام کی خدمت کریں گے، پس مناسب یہ ہے کہ
تاریخ المساجد کے ساتھ اور بھی جن عنوانوں پر لکھنے
لکھانے کا ارادہ ہو، اس کو بھی جاری رکھئے"

مناظر احسن گیلانی
۲۴ر مارچ سنہ ۱۹۵۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ مساجد جلد اول

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

سنہ ۱۳۶۸ھ کی بات ہے کہ خاکسار "نظام مساجد" کا مسودہ لے کر پہلی مرتبہ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کی خدمت میں آپ کے وطن گیلانی حاضر ہوا، حضرت اقدس نے پورا مسودہ پڑھ کر وقیع الفاظ میں حوصلہ افزائی فرمائی، اور اس کتاب کی اشاعت کو ضروری قرار دیا، چنانچہ یہ کتاب ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی[1]، جس میں حضرت گیلانی کی دعاؤں کا بڑا دخل ہے۔

اسی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ "نظام مساجد" آپ نے مکمل کرلی ہے، اب آپ "تاریخ مساجد" پر کام شروع کریں کہ یہ بھی ایک ضروری کام ہے، یہ میری نوجوانی کا زمانہ تھا، اس وقت میں دارالعلوم معینیہ سانہہ مونگیر کی صدارت تدریس پر فائز تھا، وہاں سے

---

[1] نظام مساجد کا محترم ومکرم ظہیرالنبی صاحب لکھنوی نے انگریزی میں ترجمہ مکمل کرلیا ہے، جو دراصل سہارنپور کے رہنے والے ہیں۔

واپس ہو کر اپنی مفوضہ خدمت کے ساتھ ساتھ میں نے یہ کام بھی بنام خدا شروع کر دیا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی اطلاع کی، اس اطلاع پر مولانا بہت خوش ہوئے اور وہ خط لکھا جو "حرف آغاز" کے عنوان سے ابتدا ر کتاب میں دیا گیا ہے، رب العزت مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔

چند سالوں کی مسلسل محنت سے تاریخ مساجد دو جلدوں میں مرتب کر لی گئی، اس کی کتابت و طباعت ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ ایک ناگہانی حادثہ میں دوسرے بہت سارے علمی کاموں کے ساتھ اپنا یہ عظیم علمی سرمایہ بھی لٹ گیا اور قبضے سے نکل گیا۔ جس کا تا عمر صدمہ اور افسوس رہے گا، مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔

ادھر کچھ دنوں پہلے ایک دوسری جگہ اتفاق سے اس کے کچھ اوراق ہاتھ آگئے، میں نے اس کو غنیمت جانا اور محنت کر کے اس حصے کو دوبارہ یکجا کرنے کی سعی کی جو آپ کی خدمت میں پیش ہے

یہ تو سبھوں کو معلوم ہے کہ مسجدوں کی تعمیر کی قرآن پاک اور احادیث نبوی میں کافی ترغیب آئی ہے اور مساجد کو مسلمان آبادی کا شعار قرار دیا گیا ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو اپنے دین قیم اور دینی کاموں سے ہر دور میں بے حد شغف رہا ہے اور اسی کا یہ ثمرہ ہے کہ مسلمان سلاطین و امراء اور خواص و عوام نے ہر زمانے اور ہر ملک میں تعمیر مساجد پر بھرپور توجہ دی اور دنیا کے مختلف خطوں میں بہت ساری شاندار تاریخی مسجدیں تعمیر ہوئیں، اور ان پر اپنا بیش بہا سرمایہ بے دریغ خرچ کیا، کہ یہ آخرت کا قیمتی سودا بھی ہے

اور دنیا میں شہرت و ناموری کے ساتھ رفاہ عام کا عمدہ ذریعہ اور زندہ یادگار بھی۔

روئے زمین پر چھوٹی بڑی لاکھوں مسجدیں ہیں، اور آج بھی ان کے میناروں سے اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان ہوتا رہتا ہے، اور مسلمان اس آواز پر بصد شوق مسجدوں میں آکر اپنی جبین نیاز رب العٰلمین کے آگے خم کرتے ہیں، یہ واقعہ ہے کہ اس سے زیادہ مؤثر دلپذیر اور دلوں کو تسخیر کرنے والا کوئی دوسرا منظر ممکن نہیں۔

ان مسجدوں سے بہت سارے دینی کام لئے گئے ہیں، یہاں درس و تدریس اور قال اللہ قال رسول کا غلغلہ بھی رہا اور وعظ و تقریر کی مجلسیں بھی، ان میں باطنی تزکیہ کی خدمت بھی انجام پائی ہے، اور مسلمانوں کے باہمی مقدمات بھی فیصل ہوئے ہیں، یہاں نماز پنجگانہ بھی ادا کی جاتی رہی ہیں اور رب العٰلمین کی تسبیح و تقدیس کا فریضہ بھی انجام پایا ہے، بلا تخصیص ہر مسلمان پر اس کا دروازہ عبادت و تلاوت اور دیگر دینی کاموں کے لئے کھلا رہا، زمانہ کی ہزار ہا گردشوں کے باوجود ہزاروں لاکھوں قدیم مسجدیں آج بھی آباد ہیں، اور اسی کے ساتھ نئی مسجدیں بھی تعمیر ہو رہی ہیں اور انشاء اللہ تا قیامت یہ سلسلہ اسی طرح باقی رہے گا۔

یہ درست ہے کہ انقلابات دہر نے مسلمانوں سے ان کی عالمی قیادت چھین لی، ان کی سلطنتوں کا خاتمہ کر دیا، اور انھیں ثریا سے زمین پر دے مارا، مگر با ایں ہمہ اب بھی ان کا یہ مشترکہ متاع دینی

پورے شان وشکوہ کے ساتھ باقی ہے اور زبان حال سے مسلمانوں کی عظمت اور یگانگت ان کے دینی شعور کی بیداری اور ان کے اتحاد عمل پر گواہ ہے، کیا عجب ہے کہ مساجد کا یہ سلسلہ مسلمانوں کو مہمیز کرتا رہے اور ایک دن ان کی کھوئی ہوئی شوکت اور ان کا جاہ وجلال عود کر آئے، اور شرور وفتن اور بدامنی میں ڈوبی ہوئی دنیا پھر ایک مرتبہ امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے، اور تھکے ماندے انسان اطمینان وسکون کا سانس لے سکیں وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

یہاں پہنچ کر بے ساختہ اپنے وہ اساتذہ کرام اور اکابر یاد آرہے ہیں، جن کی تعلیم وتربیت اور دعاؤں سے خاکسار کسی لائق ہوسکا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کے درجات بلند فرمائے، اب میں بھی پیری کی لپیٹ میں آچکا ہوں، اس وقت جن اساتذہ کرام کا سایہ عاطفت خاکسار پر باقی رہ گیا ہے، ان میں موجودہ نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ حضرت الاستاذ مولانا عبد الرحمٰن صاحب دامت فیوضہم ہیں، جنہوں نے اردو کی پہلی اور تعلیم الاسلام سے لے کر عربی متوسطات تک اکثر کتابیں مجھے سبقاً سبقاً پڑھائیں، دوسرے امیر الہند، محدث جلیل، استاذ العلماء حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی دامت برکاتہم ہیں، جن سے جلالین شریف سے لے کر بخاری، ترمذی شریف تک کی کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، رب ذو المنن تا دیر ان حضرات کا سایہ عاطفت قائم رکھے۔

دعاء کی جائے کہ اس کتاب کی دوسری جلد بھی دوبارہ مرتب ہوکر سامنے آجائے، اور اللہ تعالیٰ مجھے توانائی بخشے کہ یہ خدمت انجام دے سکوں، مگر اس میں ناظرین کا قلمی تعاون ضروری ہے، آپ حضرات اہم مسجدوں کے حالات لکھ کر روانہ فرمائیں۔

اخیر میں ان بزرگوں، عزیزوں کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے اس سلسلہ میں میری مدد کی، بالخصوص عزیز مکرم مولانا محمد یحییٰ ندوی (سانہہ)، اور اسی کے ساتھ ارباب دار العلوم معینیہ سانہہ ضلع مونگیر جہاں بیٹھ کر میں نے اس کتاب کا بڑا حصہ یکجا کیا تھا، تصحیح کی خدمت عزیزم مولوی محمد ہاشم انور سلمہ قاسمی اور مولوی علاء الدین سلمہ نے انجام دی، اللہ تعالیٰ ان سب کو علم نافع کی دولت سے نوازے۔

رب العٰلمین! اس خدمت کو قبول فرمالے، اور اسے میرے لئے فلاح دارین کا ذریعہ بنا دے، یہ سب کچھ آپ کی توفیق سے ہوا، سچ ہے۔ ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

طالب دعاء:- محمد ظفیر الدین غفرلہ
مفتی دار العلوم دیوبند
۱۵ر محرم ۱۴۱۱ھ

عرض ناشر

زیر نظر کتاب "تاریخ مساجد" مفتی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی تلمیذ رشید امیر الہند محدث کبیر حضرت مولانا ابو المآثر حبیب الرحمٰن اعظمی دامت فیوضہم کی محنت و کاوش کا ثمرہ ہے، جو ناظرین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، اس سے پہلے مولانا کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ان سے برابر اہل علم اور خواص و عوام مستفید ہو رہے ہیں۔

آپ کا شمار ہندوستان کے ان منتخب علماء و مصنفین میں ہے، جن پر بجا طور پر ملک و ملت کو فخر حاصل ہے، دن رات علمی کاموں میں مشغول رہتے ہیں، کتب خانہ دار العلوم دیوبند کی جدید ترتیب و تزئین آپ نے ہی فرمائی تھی، اور طلبہ دار العلوم کے لئے مطالعہ کا انتظام کرایا، جو بحمد اللہ جاری ہے اور آنے والے طلبہ بڑی تعداد میں دن رات مطالعہ میں منہمک دیکھے جاتے ہیں، اسی طرح فتاویٰ دار العلوم کی ترتیب آپ نے بڑی محنت سے کی، اور تمام مسائل کے حوالجات لکھے، اس کی بارہ ضخیم جلدیں شائع ہو چکی ہیں، اور اس کے متعدد اڈیشن چھپ چکے ہیں، آج کوئی ایسا مدرسہ اور اہل علم نہیں ہے جس کو ان جلدوں کی ضرورت نہ ہوتی ہو۔

دار العلوم دیوبند کے کتب خانہ میں قلمی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا، جس سے لوگ بے خبر تھے یا اس سے استفادہ کی صورت نہیں تھی، آپ نے ان کو بھی مرتب فرما کر قابل استفادہ کر دیا، اور ان کتابوں کا

متعارف دو جلدوں میں لکھا جسے دارالعلوم نے شائع کیا، اور اہل علم نے بہت پسند کیا، آپ کی بعض کتابوں کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔

علمی دنیا میں آپ کو جو شہرت حاصل ہے، وہ سبھوں کے علم میں ہے عملی دنیا میں بھی آپ کو قبول عام حاصل ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اساسی ممبروں میں اور اس کی مجلس عاملہ کے بھی ممبر ہیں، آپ نے طالب علمی میں حکومت برطانیہ کے خلاف بہت ساری تقریریں کیں، ۱۹۴۲ء کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا، اور اس کے نتیجہ میں ایک سال کی تعلیم برباد کی، اور مئو سے وطن پیدل گئے۔

اس عرصہ میں سیکڑوں مقالات آپ کے رسالہ برہان دہلی، رسالہ دارالعلوم دیوبند اور دیگر رسالوں میں شائع ہوئے، عرصہ تک رسالہ دارالعلوم کا اداریہ لکھا، جو کافی مقبول تھا، دارالعلوم دیوبند میں مطالعہ علوم قرآنی کے بہت سال تک نگراں رہے، آپ کی نگرانی میں ہونہار طلبہ نے مقالات لکھے، صدسالہ کے موقع سے کتب خانہ دارالعلوم میں علمی نمائش کا اہتمام کیا، اور چارٹ تیار کئے، مختصر یہ کہ ہر دور میں علمی خدمات میں پیش پیش رہے۔

انشاء اللہ آئندہ بھی بندہ آپ کی دوسری کتابیں ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا رہے گا —— اخیر میں دعا ہے اللہ تعالیٰ صحت وسلامتی کے ساتھ آپ کا سایہ ملک وملت پر تادیر باقی رکھے۔

صدر الحسن قاسمی

امام جامع مسجد جموں توی

قال اللہ تعالیٰ

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝

سورۃ الجن پ ۲۹

اللهم اغفر لكاتبه فضل الرحمن الدربھنگوی ولوالديه واساتذته

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسجد الحرام اور کعبہ مکرمہ

اللہ تعالٰی نے جب اس کائنات انسانی کو پیدا کرنا چاہا، تو سب سے پہلے کعبہ کو نمودار کیا، جو مسجد حرام کا بنیادی حصہ ہے، پھر اس جگہ سے ساری زمین کو پھیلایا، قرآن پاک میں ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ (آل عمران)

بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے واسطے بنایا گیا، یہی ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا ہے اور سارے جہاں کے لوگوں کے لئے ھدایت ہے، اس میں کھلی نشانیاں ہیں جیسے مقام ابراہیم جو اس کے اندر آیا، امن اس کو مل گیا۔

گویا اس زمین پر پہلی عمارت یا پہلا گھر مسجد ہے، جس کو کعبہ مکرمہ کے نام سے جانا جاتا ہے اور جس کو بیت اللہ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، کہ زمین کی سب سے پہلی مسجد کونسی ہے۔ جواب میں فرمایا

المسجد الحرام -

عن ابی ذرقلت یارسول اللہ ای مسجد وضع فی الارض اول قال المسجد الحرام (مشکوۃ شریف)

حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کونسی مسجد سب سے اول زمین پر بنائی گئی، آپ نے فرمایا مسجد حرام -

تعمیر کعبہ کعبہ کی تعمیر کے متعلق مورخین کا بیان ہے کہ اس کی تعمیر گیارہ دفعہ ہوئی، بعض کا تذکرہ تفصیل سے کیا جائیگا -

(۱) فرشتوں نے بنایا (۲) حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا (۳) حضرت شیث علیہ السلام نے بنایا (۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کی، (۵) آپ کے بعد عمالقہ نے بنایا (۶) جرہم نے بنایا (۷) قصی نے بنایا، (۸) قریش نے بنایا (۹) حضرت عبداللہ بن الزبیر نے تعمیر کی (۱۰) اپنے زمانہ میں حجاج بن یوسف نے اس کی تعمیر کی (۱۱) اخیر میں سلطنت عثمانیہ کے سربراہ سلطان مراد رابع بن سلطان احمد نے اس کی عمارت بنوائی، یہ تعمیر ۱۰۴۰ھ میں عمل میں آئی، اس وقت وہی عمارت موجود ہے، البتہ اس کے بعد بھی اضافات ہوتے رہے، اور اب بھی ہو رہے ہیں -

تعمیر ابراہیمی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کعبہ کا تذکرہ قرآن پاک میں بھی ہے، ارشاد ربانی ہے -

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ط (سورہ بقرہ)

اور ساتھ ہی یہ دعا فرمائی -

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (البقرہ)

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بغیر گارے اور چونے کے

بنائی، اور چھت بھی نہیں دی، اور نہ کوئی لکڑی کا دروازہ تھا، البتہ دروازے کی جگہ مشرقی دیوار میں ایک کشادگی چھوڑ دی تھی، تاکہ اندر داخل ہونے کا راستہ معلوم ہو سکے۔

آپ نے کعبہ کے اندر داہنی طرف ایک گڈھا گہرا کھودا تھا۔ جو کنوئیں کے مانند تھا، یہ اس کا خزانہ گھر تھا جہاں لوگ نذر و نیاز کی چیزیں ڈالا کرتے تھے، اس کی گہرائی تین گز تھی، ازرقی کا بیان یہی ہے۔

یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے اس تعمیر میں پانچ پہاڑوں سے پتھر لاکر لگایا طور سینا، طور زیتا، لبنان جودی اور کوہ حرا، طور سینا اور زیتا بیت المقدس میں ہے اور لبنان پہاڑ شام میں ہے، اسے جبل اولیاء بھی کہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنیاد حضرت آدم علیہ السلام کی بنیاد پر رکھی تھی، دیوار کعبہ کی بلندی نو ہاتھ تھی، اور اس وقت جہاں دروازہ ہے اس دیوار کی لمبائی بتیس ہاتھ تھی، اور اس کے سامنے کی دیوار اکتیس ہاتھ تھی، اور جہاں پرنالہ ہے وہ دیوار بائیس ہاتھ تھی اور اس کے مقابل کی دیوار بیس ہاتھ، کعبہ کا اندرونی حصہ کچا تھا۔

تعمیر قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی نبوت سے نوازے نہیں گئے تھے ابھی آپ کی عمر شریف صرف پینتیس سال کی تھی کہ اس وقت قریش نے تعمیر کعبہ کا اہتمام کیا تھا، اس تعمیر کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ ایک عورت خوشبو کی دھونی دے رہی تھی، کہ اس سے غلاف کعبہ میں آگ لگ گئی، اور اس کی وجہ سے دیواریں پھٹ گئی تھیں، اور دیوار کعبہ کافی کمزور ہو گئی تھی، یہ تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے (۲۶۴۵) سال کے بعد

ہوئی تھی۔

قریش نے اس تعمیر میں گارے کا استعمال کیا تھا، اس کی چھت ایک قبطی بڑھئی نے یا قوم رومی کی اعانت سے بنائی تھی، قریش کی نئی تعمیر میں کعبہ کے دروازہ کو بلند کر دیا تھا، اور پتھروں سے مضبوط کر دیا تھا تاکہ سیلاب کا پانی اندر نہ جاسکے، دروازہ صرف ایک ہی رکھا تھا، انھوں نے دو صفوں میں چھ ستون رکھے تھے، گویا ہر صف میں تین تین ستون تھے۔ اس کی بلندی اس وقت اٹھارہ ہاتھ رکھی گئی، اخراجات کی کمی کی وجہ سے کعبہ کا تھوڑا حصہ داخل نہیں کیا، چندہ کرتے وقت یہ اعلان کر دیا تھا کہ کوئی اس تعمیر میں ناجائز کمائی کی کوئی رقم نہ دے، چنانچہ اس پر عمل سبھوں نے کیا، کام کرنے والوں میں خود آنحضرت شریک کار تھے۔

دیواریں جب حجر اسود کے قریب پہنچیں تو اس وقت قریش میں اس بات پر اختلاف پیدا ہوا کہ حجر اسود کو کون سردار اپنی جگہ نصب کرے، سب کی خواہش تھی، جب اختلاف بہت بڑھا، تو ایک مخزومی نے کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ کل جو شخص باب صفا سے سب سے پہلے آئے اس کو حکم مقرر کر لیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے اس کو سب تسلیم کریں اس پر سب متفق ہو گئے۔

اتفاق سے سب سے اول اس دروازہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ اس وقت محمد امین کے نام سے پکارے جاتے تھے آپ کو دیکھ کر سب خوش ہوئے، آپ نے فرمایا کہ ایک چادر لائی جائے اس میں حجر اسود رکھا جائے، سارے قبیلوں کے سردار مل کر چادر کا کنارہ پکڑ کر اٹھائیں اور اس کی جگہ لے چلیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چادر میں

حجرِ اسود آپ نے بنفسِ نفیس خود اٹھا کر ڈالا پھر تمام قبیلوں کے سردار باہم مل کر اسے اٹھا کر لے چلے اور جب دیوار تک وہ لایا گیا تو پھر خود آپ نے چادر سے لے کر اس کی جگہ نصب فرما دیا۔ اس طرح یہ مسئلہ حل ہو گیا — رکن شامی کی طرف ایک زینہ بھی بنایا گیا کہ اس کے ذریعہ چھت پر بوقت ضرورت چڑھا جا سکے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ الکعبۃ المعظمہ ص ۴۹ تا ۱۲۰)۔

تعمیر عبد اللہ بن الزبیرؓ حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ نے یزید بن معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، لہٰذا گرفتاری کے خوف سے خانہ کعبہ میں پناہ گزیں ہو گئے، یزید کے لشکر نے کعبہ پر منجنیق سے پتھر پھینکے جس سے کچھ دیواریں گر گئیں اور بعض کڑیاں جل گئی تھیں، یزید کی موت کے بعد آپ نے ارادہ کر لیا کہ کعبہ کو گرا کر بنائے ابراہیم پر کعبہ کی جدید تعمیر کرائی جائے اور حدیث عائشہؓ کے مطابق تعمیر ہو جس کی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش ظاہر کی تھی اور جو اس وقت نہ ہو سکی تھی۔

چنانچہ حضرت عبد اللہؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، کچھ نے موافقت کی اور کچھ نے اختلاف بھی کیا مگر آپ نے اپنی رائے کے مطابق حبشی غلام اور دوسرے لوگوں کے ذریعہ کعبہ کو گرایا، ملبہ صاف کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام والی بنیاد ظاہر ہوئی اور اسی بنیاد پر آپ نے دیوار کعبہ کو تیار کرایا حطیم جو تعمیر قریش میں باہر چھوٹ گیا تھا، وہ اندر آگیا، قریش نے پیسے کی کمی کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا تھا۔

ابتداء کعبہ کے ہر چہار طرف پردے ڈال دیئے گئے اور اس کے اندر کعبہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا، دروازہ جو بلند تھا اس کو زمین کے برابر رکھا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا فرمایا تھا اس کے

مطابق ایک دروازہ اندر داخل ہونے کا رکھا اور دوسرا نکلنے کا، دیوار کی بلندی اٹھارہ ہاتھ کے بجائے ستائیس ہاتھ رکھی گئی، دیوار کی چنائی ایک طرح کے پگھلے ہوئے قلعی سے کرائی، جو یمن سے آئی تھی، پہلے سے خزانہ کعبہ کے نام سے جو گڈھا تھا اس کو بند کر دیا۔

جب عمارت تیار ہوگئی تو مشک وعنبر ڈال کر دیواروں کے اندر باہر لیپائی کرائی گئی جس سے کعبہ معطر ہوگیا، پھر اس کو دیبا کا غلاف پہنایا، اور کعبہ کے فرش کو آراستہ کیا، فرش پتھروں کا بنوایا، یہ تعمیر ۲۷ رجب ۶۴ھ میں مکمل ہوئی، آپ نے اعلان کیا جو شخص قادر ہو وہ عمرہ اور قربانی کرے، اس وقت تعمیر کعبہ کی خوشی میں بہت سے غلام آزاد ہوئے، اونٹ اور بکریاں ذبح کی گئیں اور ہر شخص نے بقدر استطاعت صدقہ کیا، خود ابن زبیر ننگے پاؤں نکلے اور آپ کے ساتھ بہت سے دوسرے قریشی بھی نکلے اور عمرہ ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

قریش کی تعمیر کے بیاسی برس بعد حضرت ابن زبیر کی تعمیر عمل میں آئی تھی، حضرت عبداللہ بن زبیر ۷۳ھ میں شہید ہوئے۔ (تاریخ عمارۃ الکعبۃ المعظمۃ ص ۶۹-۷۰)

تعمیر حجاج بن یوسف ثقفی

عبدالملک بن مروان نے اپنی خلافت کے زمانہ میں حجاج بن یوسف کو بھیجا تھا کہ وہ جا کر حضرت عبداللہ بن زبیر سے جنگ کرے، چنانچہ اسی جنگ میں حضرت عبداللہ شہید ہوئے تھے۔

آپ کی شہادت کے بعد عبدالملک نے حکم دیا کہ ابن زبیر نے کعبہ میں جو اضافہ کیا ہے اور ایک دروازہ بڑھا دیا ہے وہ ٹھیک نہیں کیا، لہٰذا اسے گرا کر جدید تعمیر کیجائے، حجاج نے ایسا ہی کیا، اس نے قریشی بنیاد پر جدید تعمیر کی، مغربی دروازہ بند کر دیا اور مشرقی دروازہ میں ساڑھے

چار ہاتھ کی کمی کردی، یہ تعمیر ۷۴ھ میں ہوئی تھی، جو بہت عرصہ تک قائم رہی۔ تاآنکہ سلطان مراد نے اپنے زمانہ میں کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی۔

تعمیر کے سلسلہ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ کے محاصرہ کے زمانہ میں کعبہ کو آگ لگی، اس وجہ سے بھی دوبارہ تعمیر کی ضرورت محسوس ہوئی واللہ اعلم۔ اس طرح حضرت ابن زبیرؓ اور حجاج کی تعمیر میں کل دس سال کا فاصلہ رہا۔

تعمیر سلطان مراد رابع سلاطین عثمانی میں سلطان مراد رابع بن سلطان احمد کے زمانہ میں یہ حادثہ پیش آیا کہ ۱۹ / شعبان ۱۰۳۹ھ یوم چہار شنبہ کو مکہ اور اطراف مکہ میں زوردار بارش ہوئی، جس کیوجہ سے سیلاب کا پانی مسجد حرام میں داخل ہوگیا اور اس سے دوسرے دن بوقت عصر کعبہ کی شامی دیوار دونوں طرف سے گر گئی، کچھ اور حصہ بھی گرا، اور اسی کے ساتھ چھت کا بعض حصہ بھی مخدوش ہوگیا، جو شامی دیوار سے ملحق تھا۔

اس صورت حال سے متاثر ہوکر سلطان نے تعمیر کعبہ کا از سر نو حکم دیا، چنانچہ ۱۰۴۰ھ میں یہ تعمیر مکمل ہوئی، یہی تعمیر اس دور تک باقی ہے، کعبہ کی یہ تعمیر حجاج بن یوسف کی تعمیر کے نو سو چھیاسٹھ سال کے بعد ہوئی۔

سلطان مراد رابع نے اس تعمیر کے لئے بہت سارے معمار اور سامان بھیجے تھے، تین طرفوں کو ڈھا کر از سر نو یہ عمارت خوب مضبوط بنائی گئی۔

کعبہ کی پیمائش کعبہ مکعب شکل کا ہے، کعبہ کا طول و عرض یہ ہے۔

طول دیوار کعبہ جس میں باب کعبہ ہے، یا دیوار شمالی — ۲۰ میٹر = ۶۶ فٹ

طول دیوار جنوبی ———— ۲۰ میٹر = ۶۶ فٹ

طول دیوار غربی ———— ۱۰ میٹر = ۳۳ فٹ ۴ انچ

طول دیوار شرقی ________ ۱۰ میٹر = ۳۳ فٹ ۴ انچ
کعبہ کی بلندی ________ ۱۵ میٹر = ۴۹ فٹ
چوکھٹ کی بلندی سطح فرش سے ________ ۲ میٹر = ۷ فٹ
موٹائی دیوار کعبہ ________ ۵۰-۱ میٹر = ۵ فٹ

صحن کعبہ | کعبہ کے گرداگرد جس کو صحن کعبہ کہتے ہیں مسجد حرام ہے، یہ حصہ عہد نبوی میں مختصر تھا، بعد کے زمانوں میں اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا

عہد نبوی میں مسجد حرام مشرقی جانب میں چاہ زمزم اور باب بنی شیبہ تک اور بقیہ تین طرف میں ان سبز ستونوں تک تھا، جن میں چراغ لٹکائے جاتے ہیں یا اب بلب لگے ہوئے ہیں، اس کے اردگرد اس وقت چوطرفی دیواریں نہیں تھیں بلکہ باہر لوگوں کے گھر تھے، جن میں لوگ آباد تھے۔

لیکن جس جس طرح مسلمانوں کی آبادی بڑھتی گئی، مسجد حرام میں اضافہ ہوتا گیا، اردگرد کے مکانات خرید کر مسجد حرام کی توسیع میں شامل ہوتے رہے، موجودہ دور میں مسجد حرام دنیا کی تمام مسجدوں سے زیادہ وسیع رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے، اخیر دور میں سعودی حکومت نے بھی اس میں بہت کافی اضافہ کیا ہے، کعبہ مسجد حرام کے صحن میں آگیا ہے۔

اضافے | اضافہ کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ میں مسجد حرام میں اضافہ کیا، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ۲۶ھ میں اضافہ کیا ۶۵ھ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اضافہ کیا، ولید بن عبدالملک نے بھی ۹۱ھ میں اضافہ کیا، اس کے بعد ابو جعفر منصور نے ۱۳۷ھ میں اضافہ کیا، پھر مہدی عباسی نے اپنے زمانہ میں بہت کافی

اضافہ کیا، اس نے دوبارہ ۱۶۶ھ میں اضافہ کیا جس سے مسجد حرام مربع ہو گئی اور کعبہ وسط صحن میں آگیا، اس اضافہ پر کافی سرمایہ خرچ کیا گیا، پھر ۲۸۱ھ میں مقتصد باللہ عباسی نے اضافہ کیا، اسکے زمانہ میں دار الندوہ مسجد حرام میں داخل ہو گیا، پھر ۳۰۶ھ میں مقتدر باللہ عباسی نے بھی اضافہ کیا، کہتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی اضافہ نہیں ہوا، البتہ مرمت اور صفائی ہوتی رہی۔

(تذکرہ خانہ کعبہ ص۱۰۵ و تاریخ عمارۃ الکعبۃ المعظمہ)

دالان مسجد حرام کے چاروں کناروں پر تین تین چھت دار دالان بنے ہوئے ہیں، جو ستونوں پر قائم ہیں، ان دالان یا رواق کے سامنے صحن مسجد ہے، تین تین کے حساب سے چاروں طرف ملا کر بارہ دالان ہیں، ان میں (۳۱۱) ستون ہیں، ہر ستون سالم پتھر کا ایک ٹکڑہ ہے، اور اچھی تراش و خراش سے مزین ہے۔

دالان کا طول حسب ذیل ہے۔

ضلع جس میں باب الزیارت ہے ________ ۱۶۴ میٹر = ۵۳۸ فٹ
ضلع جس میں باب الصفا ہے ________ ۱۶۶ میٹر = ۵۴۵ فٹ
ضلع جس میں باب السلام ہے ________ ۱۰۸ میٹر = ۳۵۵ فٹ
ضلع جس میں باب ابراہیم ہے ________ ۱۰۹ میٹر = ۳۵۸ فٹ

حرم کے دروازوں سے کعبہ تک پہنچنے کے لئے صحن میں پختہ راستے بنے ہوئے ہیں، یہ آٹھ ہیں، ان راستوں کے بنانے میں حتی الوسع اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کعبہ سے کوئی شخص باہر جانے کے لئے پیٹھ پھیرے گا تو اس کی پشت بعینہ کعبہ کی طرف نہیں ہوگی، البتہ باب النبی والا راستہ اس سے مستثنیٰ ہے (سفرنامہ حجاز قاضی محمد سلیمان ص۵۳)

دور سعودی میں اضافہ سعودی حکومت نے مسجد حرام میں اپنے دور میں بہت

اضافہ کیا ہے، سلطان عبدالعزیز سعودی نے ۱۳۷۵ھ میں مسجد حرام کی توسیع کا فرمان جاری کیا تھا، چنانچہ صحن مسجد کو وسیع کیا گیا، اور آس پاس کی بہت ساری عمارتوں کو وہاں سے ہٹایا گیا اور اس جگہ کو صحن حرم میں شامل کر لیا گیا ہے، اس توسیع کے بعد اب مسجد حرام کا رقبہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار ایک سو ارسٹھ مربع میٹر ہو گیا ہے، اس اضافہ کے بعد بیک وقت حرم شریف میں چار لاکھ نمازی، نماز ادا کر سکیں گے۔

شاہ فہد نے بھی مسجد حرام کی توسیع کا حکم دیا ہے، اس توسیع کا رقبہ ۷۶۰۰۰ میٹر ہوگا، اس اسکیم میں بیرونی میدان کا چالیس ہزار میٹر حصہ بھی ہموار کیا جانا شامل ہے، اس طرح توسیع کے بعد مجموعی رقبہ چھت اور میدان سمیت دو لاکھ نو ہزار میٹر ہو جائے گا، اور اس میں چھ لاکھ پچاس ہزار نمازیوں کی گنجائش ہوگی۔

اس توسیع میں ۸۹ میٹر اونچے دو میناروں کا اضافہ بھی شامل ہے جو موجودہ سات بنے ہوئے میناروں کے مشابہ ہوں گے۔

اسی طرح نمازیوں کی بھیڑ کو توسیع شدہ حصے کی چھت پر پہنچانے کے لئے بجلی کے متحرک زینوں (لفٹ) کے لئے دو عمارتیں بنائی جائیں گی، ہر عمارت (۳۷۵) میٹر کی ہوگی، اور اس میں بہت سے متحرک زینے (لفٹ) ہوں گے جو ایک گھنٹہ میں پندرہ ہزار افراد کو اوپر منتقل کر سکیں گے، یہ متحرک زینے غیر متحرک زینوں کے علاوہ ہوں گے، اس کا مقصد بھیڑ کے اوقات میں نمازیوں بالخصوص سن رسیدہ لوگوں کو آرام پہنچانا ہے۔

اس طرح مسجد حرام کی عمارتوں سے متعلق متحرک زینوں کی تعداد پانچ ہو جائے گی۔ (خبرنامہ سعودی حج نمبر ۱۴۰۷ھ)

منبر مسجد حرام

مسجد حرام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلے خطبہ کے لئے باضابطہ منبر نہیں بنایا گیا تھا۔ جمعہ کے دنوں میں خطیب کعبہ کے سامنے حجرِ اسمٰعیل میں کھڑے ہوجاتے تھے اور خطبہ دیا کرتے تھے۔

سب سے پہلے امیرالمومنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے مسجد حرام میں منبر پر خطبہ دیا، وہ منبر چھوٹا تین زینے کا تھا، جو شام سے مکہ مکرمہ لایا گیا تھا، بہت دنوں تک یہی منبر استعمال ہوتا رہا، اگر کبھی کوئی ٹوٹ پھوٹ ہوتی تھی، تو اس کی مرمت کرادی جاتی تھی۔

جب ہارون رشید خلیفہ عباسی کا زمانہ آیا اور وہ حج کرنے آئے تو ان کے لئے مصر کے عامل موسیٰ بن عیسیٰ نے ایک منبر بنا کر ھدیہ کیا، اور پرانے منبر کو عرفہ بھیج دیا گیا، ازرقی کی تاریخ مکہ میں یہ اسی طرح مذکور ہے، اس نئے منبر کے نو زینے تھے۔

پھر واثق باللہ عباسی نے اپنے زمانہ میں منبر بنوایا، اور اس وقت دو منبر مزید تیار کئے گئے، ایک مسجد حرام کے لئے تھا، دوسرا منیٰ کے لئے اور تیسرا عرفات کے لئے، پھر منتصر باللہ بن المتوکل باللہ عباسی نے اپنے والد کے زمانہ میں ایک بہت قیمتی منبر بنوایا، اور اس پر چڑھ کر مکہ میں خطبہ دیا۔

اس طرح مختلف وقفہ سے منبر بنتے رہے اور بدلتے رہے تا آنکہ ملک اشرف شعبان کے زمانہ ۷۶۶ھ میں منبر بنا، پھر ۷۹۷ھ میں ملک ظاہر برقوق نے ایک منبر بنا کر بھیجا، ۸۱۸ھ تک وہی منبر کام آتا رہا، اس سنہ میں ملک موید نے ایک دوسرا عمدہ منبر بنا کر مسجد حرام میں بھیجوایا۔

تاریخ عمارۃ المسجد الحرام کے مصنف لکھتے ہیں کہ اخیر منبر وہ ہے جو سلطان سلیمان خاں بن سلطان سلیم خاں عثمانی نے ۹۶۶ھ میں سفید سنگ مرمر کا

قیمتی منبر بنوا کر بھیجا جو کعبہ مکرمہ کے سامنے مسجد حرام کے صحن میں واقع ہے یہ حسن وزیبائی میں اپنی آپ مثال ہے یہ منبر تیرہ زینے کا ہے، اس کے اوپر چار ستون سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں اور ان ستونوں پر ایک مستطیل قبہ ہے، جو مضبوط لکڑی کا ہے، جس پر چاندی کے پتر لپیٹے ہوئے ہیں، اور اس پر سونے کے کام ہیں، دیکھنے والا محسوس کرتا ہے کہ یہ سونے سے ڈھالا گیا ہے وہ لکھتے ہیں اس پر ۳۸۸ سال گذر چکے ہیں اور اب بھی اس کی رونق اور چمک دمک میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، اس کی بلندی صحن حرم سے قبہ کے ہلال تک بیس ہاتھ کے لگ بھگ ہے، اس منبر پر کسی موسم میں بھی خطیب کے اوپر دھوپ نہیں پڑتی ہے۔ (تاریخ عمارۃ المسجد الحرام ج۲ ص۲۰)

کعبہ سے عقیدت مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان مراد نے اپنی تعمیر کے وقت چاہا تھا کہ ایک اینٹ پر سونا چڑھا ہوا ہو، اور دوسری پر چاندی، مگر اس وقت کے علماء نے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی، اسی طرح ہارون رشید وغیرہ نے بھی اپنے زمانہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کے مطابق کعبہ کی جدید تعمیر کی خواہش ظاہر کی، تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے منع فرمادیا کہ اس مقدس گھر کو بادشاہوں کے لئے کھیل نہ بنایا جائے۔ کہ جو جیسے چاہے توڑ توڑ کر جدید تعمیر کرتا رہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مسجد حرام کو بڑا تقدس عطا کر رکھا ہے، جاہلیت سے پہلے بھی اس کی ہیبت لوگوں کے دلوں پر قائم تھی اور بعد میں بھی وہ عظمت باقی رہی، بلکہ اس میں بہت اضافہ ہوا، اور غلط رسموں کی اصلاح ہوئی۔

مسجد حرام میں نماز کا ثواب مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب تمام مسجدوں سے

زیادہ بیان کیا گیا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

وصلوتہ فی المسجد الحرام بمائۃ الف صلوۃ (مشکوۃ ص۷۲)	مرد کی نماز مسجد حرام میں ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔

اس مسجد کا تذکرہ قرآن پاک میں متعدد انداز سے آیا ہے۔ چند آیتیں ملاحظہ فرمائیں۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ الآیہ (بنی اسرائیل)

اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ الآیہ (التوبۃ)

اِلَّا الَّذِیْنَ عَاھَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (التوبۃ)

مسجد نبوی (مدینہ منورہ)

رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، نبوت کی دولت سے وہیں نوازے گئے، اس کے بعد تیرہ سال وہیں مقیم رہے اور اسلام کی اشاعت کا فریضہ انجام دیتے رہے، لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ آپ کو مکہ سے ہجرت کرنا پڑا۔

چنانچہ یکم ربیع الاول ۱۴ھ نبوت میں غار ثور سے چل کر ۸ ربیع الاول کو قبا پہنچے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سایہ کی طرح لگے رہے اور خدمت انجام دیتے رہے، قبا میں چودہ دن قیام فرمایا، پھر وہاں سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے، وہاں اہل مدینہ نے آپ کا والہانہ استقبال کیا، اور خوش آمدید کہا، آپ کی اونٹنی جہاں بیٹھی وہاں آپ نے قیام فرمایا، حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے میزبانی کا شرف حاصل کیا۔

مسجد کی فکر:- یہاں سب سے پہلے آپ کو مسجد بنانے کی فکر ہوئی، زمین اسی جگہ سہل و سہیل دو لڑکوں کی تھی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کی قیمت دس دینار ادا کی، اور آپ نے وہیں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی، بہت سادہ کچی مسجد تیار کی، جو ستر ہاتھ لمبی، اور ساٹھ ہاتھ چوڑی تھی۔ کچھ زمین باہر تھی وہ بھی ہموار کر کے شامل کر لی گئی، اس کی بنیاد پتھروں سے بھری گئی، ڈیڑھ اینٹ چوڑی اور سات ہاتھ بلند، اس کی دیواریں کچی اینٹ سے

اٹھائی گئیں، کھجور کے تنوں کے ستون تھے اور کھجور کی شاخوں سے اسے پاٹ دیا گیا، اس نے چھت کا کام کیا۔

مسجد نبوی کی توسیع فتح خیبر کے بعد سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کی توسیع کی، یہ اضافہ شمال اور مغرب میں ہوا، اس اضافہ کے بعد مسجد نبوی کی لمبائی سو ہاتھ ہو گئی اور سو ہی ہاتھ اس کی چوڑائی تھی، اس مسجد کی بنیاد کا پہلا پتھر خود آپ نے رکھا، پھر حضرت ابوبکرؓ سے رکھوایا۔ پھر حضرت عمرؓ سے، پھر حضرت عثمانؓ سے، پھر حکم دیا کہ ہر شخص ایک ایک پتھر ڈالے۔ عہد صدیقی میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، صرف بعض ستونوں کو بدلا گیا۔ (خلاصۃ الوفا ص۱۰۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی، تو آپ نے طول میں چالیس ہاتھ اور عرض میں بیس ہاتھ کا مزید اضافہ فرمایا۔ اس اضافہ میں جن لوگوں کے گھر آئے، ان کو زمین کا کافی معاوضہ دیا گیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر بلا معاوضہ عطا کر دیا، البتہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر کا معاوضہ ایک لاکھ دیا گیا۔

حضرت عثمانؓ کی تعمیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں مسجد نبوی کو از سر نو تعمیر کیا۔ ربیع الاول ۲۹ھ میں تعمیر شروع ہوئی، اور محرم ۳۰ھ میں اس کی تکمیل ہوئی، اب اس کی لمبائی ایک سو ساٹھ ہاتھ تھی اور عرض ایک سو پچاس ہاتھ، دیواریں منقش پتھروں سے تیار ہوئیں، اور ساج اور آبنوس کی لکڑیوں سے اس کی چھت تیار ہوئی، ستون بھی پتھروں کے بنے اور ان پر نقش و نگار بھی بنائے گئے، یہ اضافہ شمال و مغرب اور جنوب میں ہوا۔

ولید بن عبد الملک کا اضافہ ۸۸ھ میں ولید بن عبد الملک نے بھی اضافہ کیا،

یہ اضافہ شرق و غرب میں ہوا، اور جنوب میں بھی، ستون سنگ مرمر کے بنوائے گئے، اس توسیع میں امہات المومنین کے حجرے بھی آگئے۔

خلیفہ مہدی نے اپنے زمانہ خلافت ۱۶۰ھ میں مسجد نبوی کے صحن میں اضافہ کیا، اور صحن کے مشرق و مغرب میں رواق (دالان) بنوائے۔

سلطان ناصر کی تعمیر یہ عمارت کافی دنوں اسی حال میں قائم رہی، ۸۸۶ھ میں عمارتِ مسجد پر بجلی آسمان سے گری، اور عمارت خاکستر ہوگئی، اس وقت سلطان ناصر قاتبائی خاں نے مسجد کو از سرِ نو بنوایا، چھت لکڑی کی بنوائی، اور اس پر سونے کے پانی سے نقش و نگار بنوایا۔

تعمیر سلطان عبدالمجید خاں ۱۲۶۲ھ تک مسجد اسی صورت میں باقی رہی مگر اس وقت جب محسوس کیا گیا کہ مسجد کی چھت کمزور ہو چکی ہے تو سلطان عبدالمجید خاں نے مسجد نبوی از سرِ نو تعمیر کرانا مناسب سمجھا اور تعمیر میں کام لگا دیا، پورے پندرہ سال میں جا کر موجودہ عمارت تیار ہوئی، اس طرح ۱۲۷۷ھ میں یہ کام تکمیل کو پہنچا، اس وقت سریر آرائے سلطنت عبدالعزیز تھے، اس عمارت کے پانچ دروازے ہیں: پچھم میں دو، باب السلام اور باب الرحمۃ، پورب میں دو، باب جبریل اور باب النساء اور شمال میں ایک باب مجیدی، ان میں باب السلام سب سے زیادہ عمدہ اور شاندار ہے، بازار کلاں اسی طرف واقع ہے، اس باب سے متصل دست راست پر مدرسہ مجیدیہ ہے، اور بائیں ہاتھ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ والا دار القضاء ہے، جہاں عہد نبوی میں مقدمات فیصل ہوا کرتے تھے، محراب کی دیواروں پر سنہرے حرفوں میں آیات قرآنیہ لکھی ہوئی ہیں، دونوں پھاٹکوں پر تانبہ

چڑھا ہوا ہے، اس پر باریک نقش ونگار بھی بنے ہوئے ہیں، مسجد کے اندر کی لمبائی ۱۱۶ میٹر یعنی ۳۸۱ فٹ ہے، اور عرض اسّی میٹر یعنی دوسوتریسٹھ فٹ ہے، اس زمانہ میں عمارت کی صرف مزدوری پر چالیس لاکھ خرچ ہوئے، مسجد کے جانب جنوب میں قبلہ ہے صحن میں کھڑے ہو کر دیکھیں تو سامنے بارہ رواق (دالان) ہیں، جانب راست تین رواق ہیں، اور جانب چپ میں تین رواق اور پشت کی طرف دو رواق ہیں، پوری عمارت سرخ پتھر کی ہے اس کا رنگ ہلکا شربتی ہے، چھت ستونوں پر قائم ہے، اس کے اوپر خوشنما اور حسین چھوٹے چھوٹے قبے ہیں، سارے ستون سالم اک پتھروں کے ہیں ہر ستون کی جڑ کو ڈیڑھ فٹ تک پیتل کی پتروں سے مزین اور مضبوط کیا گیا ہے، جنوب یعنی قبلہ کی ہر رواق میں دس دس دروازے ہیں، باقی ہر سہ طرف کے دروازے سات سات ہیں، مسجد نبوی مستطیل ہے۔

(دیکھئے سفرنامہ حجاز از قاضی محمد سلیمان)

اضافہ عہد سعودی میں سعودی حکومت نے اپنے دور میں مسجد نبوی میں بہت کافی اضافہ کیا ہے۔

سلطان عبد المجید خاں کی تعمیر ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۱ء کے بعد حرم نبوی میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا، شاہ عبد العزیز سعودی نے اپنے دور حکومت میں توسیع کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء میں توسیع کا حکم جاری کیا، اور ایک خاص کمیٹی کو اس توسیع کی ذمہ داری سونپی، چنانچہ توسیع کا کام شوال ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء سے شروع ہو کر مسلسل ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء تک جاری رہا، اور پانچ سوا پانچ سال کی مدت میں اس توسیع کی تکمیل ہوئی۔

سعودی تعمیر کا رقبہ ۶۲۲۴ میٹر ہے، قدیم توسیع کو ملا کر اب

اس کا کل رقبہ ۶۳۲۷ میٹر تک پہنچ گیا ہے، توسیع کا یہ کام شروع تو ہوا تھا سلطان عبد العزیز کے زمانہ میں مگر اس کی تکمیل سلطان سعود بن عبد العزیز کے دور حکومت میں ہوئی۔ (دیکھئے خبرنامہ سعودی عرب حج نمبر ۱۴۰۷ھ)

شاہ ابن سعود کی توسیع کے بعد شاہ فہد نے بھی مسجد نبوی میں کافی اضافہ کیا ہے، اس توسیع کا سنگ بنیاد ۵/ صفر ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۹/ اکتوبر ۱۹۸۴ء بروز جمعہ خود شاہ موصوف نے اپنے ہاتھوں سے رکھا، ابھی یہ توسیع مکمل نہیں ہوئی ہے، اس توسیع کے بعد مسجد نبوی کے صحن کا رقبہ اٹھانوے ہزار پانچ سو میٹر ہو جائے گا، جو نوے ہزار نمازیوں کے لئے کافی ہوگا۔ اور اس طرح کل رقبہ ۲۵۷،۰۰۰ میٹر ہوگا، جس میں ایک لاکھ سرسٹھ ہزار آدمی نماز بیک وقت پڑھ سکیں گے۔

اسی طرح چھتوں کی توسیع بھی ہوگی، اور اس سے سرسٹھ ہزار میٹر کا رقبہ نکلے گا، جو نوے ہزار نمازیوں کے لئے کافی ہوگا، کل ملا کر دو لاکھ ستاون ہزار نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکیں گے۔

(خبرنامہ سعودی حج نمبر ۱۴۰۷ھ)

عہد نبوی کے دور کی نشاندہی اسی کے ساتھ بہت ساری سہولتوں اور پانی و روشنی کی فراہمی میں بھی اضافہ ہوگا، الحمد للہ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق تمام چیزوں کا انتظام بڑھتا جا رہا ہے اور دشواریاں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔

مسجد نبوی میں اس کا اہتمام ہے کہ عہد نبوی میں جو مسجد کے حدود تھے، ان کو پتھروں کے نشان کے ذریعہ ممتاز کر دیا گیا ہے، لکھا ہوا بھی ہے کہ عہد نبوی میں طول مسجد کی حد یہ تھی۔

باقی یہ طے ہے کہ عہدِ نبوی کے بعد جس قدر بھی اضافہ ہوا ہے اس کا بھی مسجد نبوی میں ہی شمار ہے، اس لئے کہ حدیث مرفوع ہے جس کے رواۃ ثقہ ہیں۔

هٰذا مسجدی وما زید منہ فهو منی ولو بلغ مسجدی بصنعاء۔	یہ میری مسجد ہے اس میں جو زیادتی ہوتی رہے گی، وہ بھی اسی کا حصہ ہے، خواہ میری مسجد صنعاء تک بڑھتی چلی جائے۔

عہدِ نبوی میں مسجد جس قدر بلند تھی، اس کو بھی ستون پر طلائی خطوط کے ذریعہ ظاہر کیا گیا ہے، بعض ستونوں پر طلائی پھول بنے ہوئے ہیں، یہ اس کو ظاہر کرتے ہیں کہ فتح خیبر سے پہلے مسجد اس قدر تھی، اس مسجد نبوی کے جانب شرق میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ مبارک ہے۔

منبر مسجد نبوی یہ معلوم ہے کہ مسجد نبوی میں ابتداء میں کوئی منبر باضابطہ نہیں تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک لکڑی کے سہارے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے، کافی سالوں کے بعد ایک انصاری خاتون نے درخواست کی، کہ اگر اجازت ہو تو میں اپنے غلام سے جو نجاری میں باکمال ہے، منبر بنا کر پیش کردوں، آپ نے اجازت مرحمت فرما دی، اور خاتون نے منبر بنوا کر پیش کیا، یہ منبر تین زینے کا تھا، یعنی ایک اوپری حصہ تھا اور دو زینے اس کے نیچے تھے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اوپر والے حصہ پر بوقت خطبہ بیٹھا کرتے تھے، اس کی بلندی دو ہاتھ تھی اور ایک ہاتھ وہ چوڑا تھا، بوقت خطبہ آپ اوپر والے زینے پر کھڑے ہوتے تھے، آپ کے بعد جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ اپنے دور خلافت میں درمیانی

زینہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے، اور آپ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، وہ نیچے والے زینہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا، تو آپ برکت کے حصول کی غرض سے بالائی زینہ سے خطبہ دیا کرتے تھے، کچھ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا کہ کوئی زینہ باقی نہ رہ گیا تھا، تینوں استعمال میں آچکے تھے، اگر میں درمیانی زینہ پر کھڑا ہوتا تو کہنے والے کہہ سکتے تھے کہ میں نے صدیق اکبرؓ کے درجہ کا دعویٰ کیا، نیچے والے پر بیٹھتا تو کہتے فاروقؓ کے مثل بنتا ہے، اس لئے میں نے سرورِ کونین کی جگہ کو ترجیح دی، کہ اس میں مشابہت کا کوئی سوال سرے سے پیدا نہیں ہوتا، آپ نے اس منبر پر ریشمی غلاف چڑھا دیا تھا

منبر کے زینوں میں اضافہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو آپ نے منبر میں دو زینے کا نیچے کی طرف اضافہ کرادیا اور فرمایا کہ مقصد یہ ہے کہ منبر نبوی کی دیمک وغیرہ سے پوری محافظت ہو جائے۔

۶۵۴ھ میں یہ قدیم منبر اک حادثہ میں میں جل گیا، جو لکڑیاں رہ گئی تھیں، ان کو دفن کروادیا گیا، اس کے بعد شاہ یمن ملک الظفر نے اس کی جگہ ایک عمدہ منبر بنوا کر مسجد نبوی کے لئے بھیجا، دس سال تک اس پر خطبہ دیا جاتا رہا، پھر ملک الظاہر رکن الدین بندقداوی نے منبر بنوا کر بھیجا، اس کے نو زینے تھے، سات ہاتھ لمبا، چار ہاتھ اونچا، بتیس سال تک اس پر خطبہ دیا جاتا رہا، اخیر میں اس منبر میں دیمک لگ گئی تو ۷۹۷ھ میں ملک الظاہر برقوق نے ایک منبر بنوا کر بھجوادیا، چنانچہ یہ استعمال

ہوتا رہا، ۸۲۰ھ میں ملک المؤید شیخ نے دوسرا منبر بنوا کر روانہ کیا، پھر خطیب اسی سے خطبہ دیا کرتے تھے، ۸۸۶ھ میں یہ بھی جل گیا تو اہل مدینہ نے اینٹ چونا کا منبر تیار کرایا، اور بوقت خطبہ وہ استعمال ہونے لگا۔

رجب ۸۸۸ھ میں سلطان قایئتائی نے سنگ رخام کا منبر بنوایا، اس کے بعد ۹۹۸ھ میں سلطان مراد بن سلطان سلیم نے اپنی طرف سے سنگ رخام کا منبر بنوا کر بھیجوایا، اس کے آنے کے بعد پہلے منبر کو مسجد قبا بھیجوا دیا گیا، اور سلطان مراد والا منبر مسجد نبوی میں استعمال ہونے لگا، اور یہی منبر اب تک (۱۳۴۰ھ) چلا آرہا ہے۔ یہ منبر اسی جگہ ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر تھا، یہ منبر صنعت کاری کا بہترین نمونہ ہے، اور اس کے چودہ زینے ہیں۔

(سفرنامہ حجاز قاضی محمد سلیمان ص۲۲۸)

اس مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب ہزار نماز کے برابر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

صلوٰۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام۔ (مشکوٰۃ ص۶۸)	میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجد کی ہزار نماز سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے کہ اس میں اس سے بھی زیادہ ثواب ہے۔

مسجد نبوی کے مینار حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے مسجد نبوی کے چاروں کونوں پر چار مینار بنوائے، باب السلام پر جو مینار بنوایا گیا تھا وہ مروان بن الحکم کے گھر کے پاس تھا، سلیمان بن عبد الملک نے دیکھا کہ اس سے گھر کی بے پردگی ہوتی ہے تو اس کو گروا دیا، اس کے بعد تین ہی

مینار باقی رہے، شرقی یمانی مینار کی بلندی نوّے فٹ بیان کی گئی ہے، دوسرے مینار کی بلندی کم تھی، بعد میں ان میناروں کو اس کے برابر کر دیا گیا، بعد میں بجلی گرنے کے بعد جب مینار بنے تو سب کی بلندی تقریباً ڈیڑھ سو فٹ رکھی گئی، چوتھا مینار جس کو سلیمان نے اپنے زمانہ میں گرا دیا تھا ۷۰۶ھ میں الناصر محمد بن قلدون کے دور میں پھر وہ تعمیر ہو گیا۔

(تاریخ المدینۃ المنورہ ص ۱۳۴)

U-109780

مسجد اقصیٰ (بیت المقدس)

حدیث نبوی میں جن تین مسجدوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، ان میں تیسری یہی مسجد اقصیٰ ہے، اس مسجد کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ۔	پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکتوں نے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے مسجد حرام کے بعد بذات خود اس مسجد اقصیٰ کی بنیاد ڈالی تھی، گویا چالیس سال پہلے مسجد حرام کی بنیاد ڈالی، پھر مسجد اقصیٰ کی، اس طرح ان دونوں مسجدوں کی بنیاد آدم میں چالیس سال کا فاصلہ ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے دریافت کیا، یارسول اللہ! سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی، آپ نے ارشاد فرمایا المسجد الحرام، حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں پھر میں نے سوال کیا کہ اس کے بعد کونسی مسجد بنی، آپ نے فرمایا المسجد الاقصیٰ پھر پوچھا ان دونوں کی بنیاد میں کتنا فصل تھا، قال اربعون عامًا (مشکوٰۃ)

آپ نے ارشاد فرمایا چالیس سالوں کا فصل تھا۔

حضرت آدم کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تجدید فرمائی۔

مسجد کا طول وعرض یہ ان قابلِ ذکر مسجدوں میں سے ایک ہے جن کے متعلق مشہور ہے کہ دنیا میں یہ اپنی مثال نہیں رکھتی ہے، اس مسجد کا طول پورب سے پچھم تک ۵۲، گز ہے، اور عرض قبلہ سے اندر مسجد تک ۳۵ گز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اس کی تعمیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی، یہ مسجد ایک وسیع میدان میں واقع ہے، جس کا طول تقریباً ساڑھے چار سو گز ہے، اور اس کا کل رقبہ اس شہر کے چوتھائی کے برابر ہے، اس کے چاروں طرف ایک حصار ہے، جس کو عوام حرم شریف کہتے ہیں، اس حصار میں کئی مشہور عمارتیں ہیں۔ جن میں مشہور ترین عمارت مسجد اقصٰی کی ہے، یہ مسجد ایک اونچے چبوترہ پر بنی ہوئی ہے، جو سطح زمین سے سوا تین گز بلند ہے، اور یہ بعینہ وہیں پر ہے جہاں کبھی ہیکل سلیمانی تھی، اس چبوترے تک پہنچنے کے لئے کئی سیڑھیوں کو طے کرنا پڑتا ہے، اور ان کے اوپر نوکدار محرابیں ہیں، جو خوبصورت ہیں اور سنگ مرمر کے ستون پر بنی ہوئی ہیں۔

نیچے کئی اور چیزیں بنی ہوئی ہیں، جیسے وعظ کہنے والوں کے لئے منبر، نماز پڑھنے کے لئے مصلی وغیرہما، ان میں سے بعض چیزیں بہت قدیم ہیں۔ (تمدن عرب ص۱۵۴)

مسجد عمرؓ کہنے کی وجہ یورپ میں یہ مسجد "مسجد عمر" کے نام سے مشہور ہے۔

یہ ہشت پہل ہے، اور اس کے ہر سمت میں دروازے ہیں، اندر کی دیواریں سنگ مرمر کی ہیں جو نقش ونگار اور گل بوٹے سے آراستہ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں بطریق سے دریافت کیا کہ میں ایک مسجد بنانا چاہتا ہوں، تم بتاؤ اس کے لئے کونسی جگہ موزوں رہے گی، اس نے عرض کیا "صخرہ" پر تعمیر کرلیں، جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔

اس وقت یہ جگہ کوڑا خانہ بنی ہوئی تھی، ساری گندگی عیسائی یہیں پھینکا کرتے تھے، اور ان کا ایسا کرنا یہودیوں کی ضد میں تھا، اور یہ دراصل انتقام تھا اس کا کہ یہودیوں نے "مقام صلیب" کو عیسائیوں کی عداوت میں کوڑا خانہ بنا دیا تھا، جہاں وہ نجاست ڈالا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی سعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مشورہ کے بعد حکم دیا کہ صخرہ والی جگہ صاف کی جائے اور اسے ہموار کیا جائے، سب سے پہلے اس صفائی میں خود بھی عملاً اقدام فرمایا، پھر دوسرے لوگوں نے اس منظر کو دیکھ کر حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، اس تکبیر میں تمام دوسرے مسلمانوں نے بھی ساتھ دیا اور اس طرح ایک ساتھ سبھوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا، اور فضا گونج اٹھی،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب احبار رضی اللہ عنہ سے جو صحابی رسول تھے، دریافت کیا کہ بھائی نعرۂ تکبیر کا یہ کیا موقع تھا؟ انھوں نے جواب میں عرض کیا، یا امیر المومنین! آج آپ اس وقت جو کچھ کر رہے ہیں، اس کی ایک اسرائیلی پیغمبر پانچ سو برس پہلے خبر دے چکے ہیں، اور وہ پیش گوئی یہودی کتابوں میں محفوظ بھی ہے، جب اس کا ملبہ

صاف ہوگیا، تو آپ نے کعبؓ سے دریافت فرمایا مسجد کا مصلیٰ کس طرف بنایا جائے، انھوں نے مشورہ دیا کہ صخرہ کی طرف بنایا جائے، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا، فرمایا اے کعب! تم سے ابھی تک یہودیت کی خوبو نہیں گئی، صخرہ پر اگر جب تو نے اپنے جوتے اتارے تھے، اسی وقت میں نے تمہارے جذبہ کو محسوس کر لیا تھا، جواب میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت والا میرا مقصد یہ تھا کہ میرے پاؤں اس سرزمین سے مس ہو کر برکت حاصل کریں صخرہ کی تعظیم مقصود نہ تھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مصلیٰ قبلہ کی طرف بنایا جائے۔ چنانچہ یہ مسجد، مسجد عمر کے نام سے مشہور ہوئی۔ (تاریخ ملت ج ۱/۲ ص)

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ پہلے یہودی تھے اور پھر اسلام لائے تھے، اسی کے ساتھ یہودی کتب کے بڑے عالموں میں تھے، یہ مسجد کتنے ہی دور سے گذری ہے، اور زمانہ کے بہت سارے نشیب و فراز سے دوچار ہوئی ہے، مسجد اقصیٰ کی خصوصیت یہ ہے، کہ اس سے یہودی اور عیسائیوں کو بھی عقیدت ہے، یہ مسجد اندر سے بہت مزین ہے۔

گنبد مسجد اس کا گنبد ۱۰۲۲ھ میں دوبارہ تعمیر ہوا تھا مسجد کے تمام اندرونی حصہ میں بے انتہا تکلفات سے کام لیا گیا ہے، دیواروں میں مینا کار تختیاں لگی ہوئی ہیں، جس سے مسجد کی رونق دوبالا ہے۔

قبہ صخرہ کے سلسلہ میں ابن بطوطہ مشہور سیاح کا بیان ہے کہ عمدہ ترین عمارت ہے جو اپنی وضع میں بے نظیر ہے، یہ وسط مسجد میں قائم ہے۔ اس قبہ میں پتھر کی خوبصورت سیڑھیوں پر چڑھ کر جاتے ہیں، اس کے چار دروازے ہیں، تمام میں سنگ رخام بچھا ہوا ہے اس کا اکثر حصہ

سونے سے ڈھکا ہوا ہے، جو نور کیطرح روشن اور بجلی کی طرح چمکدار ہے، دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔ (ابن بطوطہ ص۴۲ ج۱)

صخرہ کے متعلق لکھا ہے کہ اس کا طول پچاس فٹ ہے، اور عرض چالیس فٹ، رنگ قدرے گلابی ہے، اس میں ایک صندوق ہے جس میں کہا جاتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کے نشان ہیں اور ایک الماری میں آپ کے تین موئے مبارک ہیں۔

(سفرنامہ مقامات مقدسہ)

اس مسجد سے یہودی ونصاریٰ کی عقیدت

اس مسجد کی عزت وقبولیت کا حال یہ ہے کہ یہ یہود ونصاریٰ اور مسلمانوں تینوں کی نظر میں متبرک ہے، اس کی پرستش کبھی یہود نے اپنے طور پر کی، کبھی عیسائیوں نے عیسیٰ مسیح کی مورت رکھی، اور اب مسلمانوں کی جائے عبادت ہے، اور کہتے ہیں اسی کے اندر وہ پتھر بھی ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو قربانی کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

(تمدن عرب ص۱۵۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں یہ علاقہ فتح ہوا تھا اور بغیر جنگ کے آپ کے حوالہ کیا گیا تھا۔

فتح صلاح الدین ایوبی

عبدالملک بن مروان اور ولید بن عبدالملک کے دور میں مسجد اقصیٰ دوبارہ بنی اور بہت حسین وخوبصورت بنی، پھر یہ شہر جنگ صلیبی ۱۰۹۹ء میں مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا اور اس جنگ میں بہت سارے مسلمان شہید ہوئے، جب صلاح الدین ایوبی کا زمانہ آیا تو انھوں نے چڑھائی کی، اور ۲۷ رجب ۵۸۳ھ مطابق ۱۱۸۷ء میں

فاتحانہ شان سے داخل ہوئے، اور مسجد اقصیٰ اور صخرہ کو لغویات وخرافات سے پاک وصاف کرنے کا حکم دیا اور وہاں نماز ادا کی۔ مگر انہوں نے عیسائیوں سے کوئی انتقام نہیں لیا۔

برطانیہ کا قبضہ اور حکومت اسرائیل کا قیام

۱۹۱۷ء میں یہ شہر فلسطین برطانیہ کے زیر اثر ہو گیا، اور برطانیہ نے بتدریج مسلمانوں سے اس کو خالی کرایا، یہ شہر تیس سال اس کے زیر اثر رہا اور اس مدت میں یہود کو غلبہ دیتا رہا، چنانچہ ۲۹ / نومبر ۱۹۴۷ء میں تقسیم فلسطین کی قرارداد پاس کی، اور ۱۵ / مئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا۔

پھر دشمنان اسلام کی سازش سے یہودیوں نے فلسطین کے اس حصہ پر بھی ۱۹۶۷ء میں قبضہ کر لیا جو مسلمانوں کے حصہ میں تھا، اس طرح مسلمانوں کو پورے فلسطین سے بے دخل کر دیا، اور اب یہ پورا شہر یہودیوں کے قبضہ و تصرف میں ہے، اور مسلمان مارے مارے پھر رہے ہیں۔

مسجد اقصیٰ کی فضیلت

اس مسجد اقصیٰ کی کتاب وسنت میں بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، شروع میں قرآن پاک کی آیت نقل کی جا چکی ہے، اور بھی آیتیں ہیں جن کے شان نزول میں بتایا گیا ہے کہ مسجد اقصیٰ کے سلسلہ میں نازل ہوئیں۔

یہ تو سب پر ظاہر ہے کہ سولہ مہینے تک یہ مسجد مسلمانوں کا قبلہ رہی، اور تمام مسلمان اسی طرف منھ کر کے نماز ادا کیا کرتے تھے، حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔

صلینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نحو بیت المقدس ستة عشر شهراً او سبعة عشر شهراً ثم صرفنا نحو الکعبۃ۔
(مشکوٰۃ ص)

کے ساتھ بیت المقدس کی طرف منھ کرکے سولہ یا سترہ مہینے نمازیں پڑھیں اس کے بعد کعبہ مکرمہ کی طرف منھ کرکے ہم نے نمازیں پڑھنا شروع کیں۔

دوسری حدیث ہے۔

لا تشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد، المسجد الحرام و مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم و مسجد الاقصیٰ (مشکوٰۃ ص)

کجاوہ نہ باندھو مگر صرف تین مسجدوں کے لئے، مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ۔

ان میں پہلا نمبر مسجد حرام کا ہے کہ وہاں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے، دوسرے نمبر میں مسجد نبوی ہے جس کی ایک نماز ہزار نماز کے برابر ہے، اور تیسری مسجد، مسجد اقصیٰ ہے اس کی ایک نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔

مسجد قبا

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۴ھ نبوت میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی، اور ۸ ربیع الاول بروز دوشنبہ کو قبا میں داخل ہوئے تھے، یہ آپ کی پہلی قیام گاہ تھی، یہاں آپ کا قیام چودہ دنوں رہا، پھر مدینہ منورہ کا قصد فرمایا تھا۔

صحابہ کرام سے آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو جمع کیا جائے، جب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا کہ پتھر جمع کئے جائیں، چنانچہ صحابہ کرام نے پتھر جمع کر دیا اس جمع کرنے میں خود بھی بنفس نفیس حصہ لیا، آپ نے اپنے عصائے مبارک سے مسجد کا قبلہ درست کیا اور اس کی نشاندہی فرمائی، پھر خود پہلا پتھر مسجد کی بنیاد میں رکھا، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تم ایک پتھر اٹھا کر میرے پتھر کے برابر رکھو، پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم پتھر اٹھاؤ اور ابوبکر کے پتھر کے بغل میں رکھو، پھر حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ تم عمر والے پتھر کے بغل میں ایک پتھر رکھو، پھر تمام اہل قبا سے ارشاد ہوا کہ سب ایک ایک پتھر اس بنیاد میں ڈالیں، چنانچہ حضرات صحابہ کرام نے آپ کے حکم کے مطابق مسجد کی بنیاد پتھروں سے پاٹ دی، اور اس طرح اس مسجد کی بنیاد پڑ گئی، جس کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ الآیۃ (التوبۃ)	البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد دھری گئی پرہیزگاری پر اول دن سے ۔

اس آیت کے سلسلہ میں جمہور مفسرین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد مسجد قبا ہے، یہ ہجرت کے بعد پہلی مسجد تھی، اس کے بعد دوسری مسجد نبوی ہے، چونکہ پہلے آپ نے قبا میں ہی نزول اجلاس فرمایا تھا اور نماز بھی پڑھی تھی، اس لئے مورخین نے اس کو اسلام کی پہلی مسجد لکھا ہے

فکان ھذا المسجد اول المسجد بنی فی الاسلام بالمدینۃ بل اول مسجد جعل لعموم الناس فی ھذہ الملۃ ۔ (البدایہ والنہایہ ص۲۰۹ ج۳)	یہ پہلی مسجد تھی جو زمانہ اسلام میں مدینہ منورہ میں تعمیر ہوئی، بلکہ پہلی مسجد ہے جو ملت اسلامیہ میں عام لوگوں کے لئے بنائی گئی ۔

یہ مسجد بھی مسجد نبوی کی طرح بالکل سادہ تھی، کھجور کے ستون، مٹی کی دیوار، اور کھجور کی شاخوں سے چھت تیار ہوئی تھی، اس کا طول ۶۶ ہاتھ تھا، اور عرض بھی اسی قدر، اس مسجد کا صحن بھی تھا جس کی لمبائی پچاس ہاتھ تھی اور چوڑائی چھبیس ہاتھ ۔

توسیع اول اس میں پہلا اضافہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تھا آپ نے مینارے کی طرف مسجد کی توسیع فرمائی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب مسجد نبوی کی تزئین ہوئی، تو اس وقت اس کی بھی تزئین عمل میں آئی، اس کو گچ اور پتھر سے مضبوط بنایا، پتھر کے ستون اس طرح بنائے گئے کہ اس کے درمیان میں لوہے کے چھڑ رکھے گئے اور سیسہ پلایا گیا، اور پھر خوبصورت و منقش پتھروں

سے ظاہری حصے کو آراستہ کیا گیا، اس کی چھت ساج لکڑی کی بنوائی، مینارہ بھی بنوایا، اس مسجد کے وسط صحن میں ایک چبوترہ بھی تھا۔

عمارت کی تجدید یہ عمارت جب بوسیدہ ہوگئی، اور گرنے لگی تو جمال الدین اصفہانی جو زنگی بادشاہ کے وزیر تھے، انھوں نے اس کی عمارت کی تجدید کی، اور یہ تجدید ۵۵۵ھ میں ہوئی، پھر اس کے بعد عمارت کی تجدید ۶۷۱ھ میں ہوئی، ناصر بن قلادون نے ۷۳۳ھ میں پھر اسکی مرمت وغیرہ کی اور جو حصہ شکستہ ہوگیا تھا، اس کو درست کرایا، چھت جب کمزور ہوئی تو ۸۴۰ھ میں ابن قاسم المحلی نے چھت بدل دی، جن کا شمار مشائخ کے خدام میں ہوتا۔

مینار مسجد ۸۷۷ھ میں اس مسجد کا مینارہ گر گیا، تو خواجگی شمس بن زمن نے ۸۸۱ھ میں دوبارہ بنوایا، مسجد کے دوسرے حصوں کی بھی مرمت کرائی، انھوں نے مسجد کے سامنے ایک حوض بھی بنوایا، جو پہلے نہیں تھا، یہ حوض بڑا پاکیزہ اور عمدہ تھا۔

مینارہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سطح مسجد سے بائیس ہاتھ بلند تھا، اور اس کے اوپر قبہ تھا جس کا طول دس ہاتھ تھا، مینارہ کا عرض قبلہ کی طرف سے دس گز اور دوسری طرف سے آٹھ گز تھا، مسجد کی بلندی بیس ہاتھ تھی، اس طرح مجموعی طور پر زمین سے مینارہ کی بلندی ۵۲ ہاتھ ہوئی۔ بعد میں اس بلندی میں مزید اضافہ ہوکر ۶۱ ہاتھ ہوگئی، پورب میں ایک دروازہ تھا اسی طرح مغرب میں دوسرا دروازہ رکھا گیا۔

صحن مسجد وفاء الوفاء کے مصنف سمہودی نے لکھا ہے صحن مسجد کا چبوترہ میں نے ناپا تو مشرق سے مغرب تک اس کی لمبائی ½ ۶۸ ہاتھ ہوئی

اور عرض قبلہ سے شام تک ۹۷ ہاتھ، اور درمیانی حصہ ۷۰ ہاتھ، مسجد کی اونچائی ۱۹ ہاتھ، اور صحن کا طول مشرق سے مغرب تک ۵۱ ہاتھ، اور اس کا عرض ۲٦ ہاتھ۔ (وفار الوفار صفحہ ۲٦۲/۲)

حدیث شریف میں اس مسجد کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے خلاصۃ الوفار میں وہ تمام حدیثیں نقل کی گئی ہیں، اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی یہ حدیثیں موجود ہیں، بخاری وغیرہ میں ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی مسجد قبا کل سبت راکبا وماشیا وفی روایۃ فیصلی فیہ رکعتین۔ (خلاصۃ الوفار صفحہ ۱۸۰)	رسول اللہ ہر سنیچر کو مسجد قبا تشریف لاتے تھے، کبھی سواری سے اور کبھی پیادہ پا، اور اگر دو رکعتیں تحیۃ المسجد کی پڑھا کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المسجد الذی اسس علی التقوی من اول یوم ہو مسجد قبا۔ (ایضا)	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسجد کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم، وہ مسجد قبا ہے۔

تفصیل کے لئے وفار الوفار کا مطالعہ کیا جائے۔

سن ہجری کی ابتدار مستقل تاریخ کے لئے جب صحابہ کرام کو فکر ہوئی، تو ہجرت کے سال کو اس کے لئے منتخب فرمایا گیا، البتہ ہجرت ربیع الاول میں ہوئی تھی، لیکن سال کی ابتدار ماہ محرم سے رکھی گئی، اس کے بعد سے مسلمانان عالم عام طور پر سن ہجری کا استعمال کرتے ہیں، جو سال قمری سے جانا جاتا ہے

جامع مسجد بصرہ

عہد فاروقی میں عتبہ بن غزوان کے مشورہ اور مطالبہ پر شہر بصرہ بسایا گیا، جہاں اس شہر میں دوسری چیزیں بنیں اور بنوائی گئیں، وہیں حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ نے ۱۴ھ میں ایک مختصر سی مسجد بھی بنوائی، جو بانس سے تیار کی گئی، اس میں اختلاف ہے کہ اس مسجد کا نقشہ خود حضرت عتبہؓ نے بنایا، یا کسی دوسرے سے بنوایا گیا، بہر حال اس نقشہ کے مطابق مسجد تیار ہوئی، اور اسی مسجد سے ملی ہوئی "دار الامارۃ" کی عمارت بنوائی گئی، یہ دونوں عمارتیں اس دور کے مطابق معمولی حیثیت کی تھیں۔

مسجد کی عمارت میں تبدیلی حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کو ذرا ترقی دی، اور مسجد کے جھونپڑے کو اس طرح بدلا کہ کچی اینٹ اور مٹی سے دیوار تیار کرائی، اور چھپر گھاس کا بنوایا، اور ساتھ ہی اس مسجد کی توسیع بھی فرمائی، تاکہ زیادہ نمازی نماز ادا کر سکیں۔

توسیع بہ عہد حضرت معاویہؓ مگر امام کے لئے الگ سے کوئی راستہ نہیں تھا، عام راستہ جو پیچھے تھا اس سے آیا کرتا تھا، بسا اوقات امام کو نمازیوں کی گردن پھاند کر آگے جانا پڑتا تھا، جب حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت کا دور آیا تو آپ نے بصرہ کا والی زیاد کو بنایا، اس والیٔ بصرہ نے اپنے زمانہ میں اس مسجد کی مزید

توسیع کرادی، چنانچہ پہلے سے یہ بہت بڑھ گئی، انھوں نے مسجد کی دیوار اینٹ چونے سے بنوائی، اور چھت ساج کی عمدہ لکڑیوں سے، اور امام کے لئے قبلہ کی دیوار میں ایک مختصر راستہ کھول دیا تاکہ اسی دروازہ سے آیا کرے، اگر دنوں کو پھاندکر نہ جایا کرے۔

اسی کے ساتھ دارالامارۃ کی بھی تجدید کی، جب دونوں عمارتیں تیار ہوگئیں، تو زیاد والی بصرہ نے خود تمام حصوں کو گھوم گھوم کر دیکھا کہ کوئی کمی تو نہیں رہ گئی ہے، دوسرے دیکھنے والوں سے بھی معلوم کرتا رہا کہ کوئی کمی ہو تو بتاؤ، جب سبھوں نے کہا کہ اس سے زیادہ مستحکم اور مضبوط عمارت ہم نے نہیں دیکھی، تو جاکر زیاد کو اطمینان ہوا، یونس بن حبیب نحوی کا بیان ہے کہ ان ستونوں پر کبھی کوئی پھٹن یا عیب ظاہر ہوتے نہیں دیکھا، ایک شاعر نے اس کی تعریف میں اشعار کہے، ان میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

بنیٰ زیاد لذکر اللّٰہ مصنعۃ ❊ من الحجارۃ لم تعمل من الطین

مسجد میں مقصورہ کی ابتداء زیاد نے مسجد کے پہلے دالان کو پانچ ستون پر قائم کیا، اور اس کے ساتھ پتھروں کا مینارہ بنوایا، اور دارالامارۃ کی عمارت کو سامنے سے منتقل کرکے مسجد کے قبلہ کی طرف لے آئے، انھوں نے سب سے پہلے مسجد میں مقصورہ بنایا، ان کے بعد عبداللہ بن زیاد نے اپنے زمانہ میں بھی مسجد میں اضافہ کیا، درمیان میں کسی اور نے کوئی اضافہ نہیں کیا۔

پھر جب خلیفہ عباسی مہدی کا دور آیا تو انھوں نے مسجد کے اطراف کے مکانات کافی قیمت دے کر خریدے، اور اس ساری جگہ کو

مسجد کی توسیع میں لے لیا، جس سے مسجد کافی وسیع ہو گئی، اور بصرہ جیسے شہر کے شایانِ شان ہو گئی، اس زمانہ میں بصرہ کے گورنر محمد بن سلیمان بن علی تھے۔

عہد مہدی میں مزید توسیع | مہدی کے بعد جب ہارون الرشید کی خلافت کا زمانہ آیا، تو انھوں نے بصرہ کے گورنر عیسی بن جعفر بن المنصور کو حکم دیا کہ دارالامارۃ وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے اور وہ حصہ بھی مسجد میں شامل کر دیا جائے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، اس سے مسجد کی وسعت کافی بڑھ گئی۔

زیاد نے اپنے زمانہ میں ایک کام اور بہت اچھا کیا وہ یہ کہ مسجد کا فرش کچا تھا، جب نمازی سجدہ کرتا تھا تو گرد اس کی پیشانی وغیرہ میں لگ جاتی تھی اور سجدہ سے اٹھنے کے بعد ہر نمازی ہاتھوں اور پیشانی کو گرد سے صاف کرتا، اس طرح ہاتھوں کو بھی جھاڑنا پڑتا تھا، انھوں نے کہا کہ کچھ ایام اگر ایسا ہی نمازی کرتے رہے تو آنے والی نسل یہ سمجھنے پر شاید مجبور ہو گی کہ سجدہ سے اٹھ کر ہاتھوں کو جھاڑنا سنت ہے، لہٰذا ایسا کیا جائے کنکڑیاں لا کر تمام فرش پر بچھا دی جائیں تا کہ گرد لگنے کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ (فتوح البلدان تمصیر البصرہ ص۳۵۷)

ابن بطوطہ کا بیان | مشہور سیاح ابن بطوطہ کا بیان ہے۔

بصرہ شہر ابھی دو میل دور ہی تھا کہ ایک عالیشان عمارت نظر آئی، جو ایک قلعہ معلوم ہوتی تھی، میں نے پوچھا کہ وہ کیا عمارت ہے، لوگوں نے بتایا کہ وہ مسجد ہے، میں نہیں بتا سکتا کہ وہ وہی سابق مسجد تھی یا کوئی اور، مگر اس زمانہ میں بھی یہ ایک بڑی مسجد تھی، ممکن ہے اس کا نام

عباسی دورِ حکومت میں بدل دیا گیا ہو۔

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ بصرہ شہر بہت کشادہ اور وسیع ہے اور یہ مسجد اس کے وسط میں واقع ہے مگر اس زمانہ میں عام طور پر لوگ صرف جمعہ پڑھنے یہاں آتے تھے، کیونکہ غیر دنوں میں دیکھا کہ وہ بند رہتی ہے، ابن بطوطہ کا جملہ ہے "وھذا المسجد من احسن المساجد" مسجدوں میں یہ مسجد حسین ترین مسجد ہے، اس مسجد کا صحن بھی بہت وسیع ہے، پورا صحن سرخ کنکریوں سے خوبصورت بنایا گیا ہے، اس مسجد میں وہ مصحف پاک بھی ہے، جس میں تلاوت کرتے ہوئے حضرت عثمان غنی خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے، چنانچہ آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ پر خون کے دھبے موجود تھے۔ (رحلہ ابن بطوطہ ۱۳۶/۱)

جامع مسجد کوفہ

شہر کوفہ جب بسانے کا ارادہ کیا گیا، تو اس سلسلہ میں حضرت عمر امیرالمومنین رضی اللہ عنہ سے ہدایت طلب کی گئی، چنانچہ آپ نے بحیثیت امیرالمومنین شہر بسانے کا نقشہ بنوا کر تحریری حکم کیساتھ بھیجدیا، چنانچہ اس کے مطابق شہر کوفہ آباد ہوا، اور ہدایت کے بموجب وہاں عرب قبیلے علیحدہ علیحدہ آباد کئے گئے، درمیان شہر میں بڑی اور چھوٹی سڑکیں کشادہ رکھی گئیں، زیادہ سے زیادہ سڑکوں کی چوڑائی چالیس ہاتھ رکھی گئی، اور کم از کم بیس ہاتھ، جہاں جیسی ضرورت سمجھی گئی کشادگی رکھی گئی، گلیوں کی سڑکیں سات ہاتھ کشادہ رکھی گئیں۔ ہر ہر محلہ میں ایک ایک مسجد بھی بنوائی گئی، تاکہ اہل محلہ بآسانی پنجوقتہ نمازیں باجماعت مسجد میں ادا کرسکیں۔ اسی کے ساتھ ایک بڑی جامع مسجد بھی بنوائی گئی، تاکہ سارے شہر کے مسلمان اسی جامع مسجد میں آکر نماز جمعہ ادا کریں، جس سے مسلمانوں کی اجتماعیت کا مظاہرہ بھی ہو، اور باہم ملنے جلنے کا ذریعہ بھی۔

جامع مسجد تمام مسجدوں میں ہر اعتبار سے ممتاز تھی، اور ایسی وسیع بنائی گئی کہ بیک وقت اس میں چالیس ہزار آدمی نماز ادا کرسکیں اور اس کے آگے ایک بہت کشادہ صحن رکھا گیا، جو دو سو ہاتھ لمبا تھا۔ اس پر چھت ڈالنے کے لئے سنگ رخام کے ستون بنائے گئے، اور پھر

اس پر چھت ڈالی گئی، جامع مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلہ پر ایوان حکومت کی عمارتیں تیار کرائی گئیں، جب تھوڑے دنوں کے بعد بیت المال میں چوری ہوئی، تو ایوان حکومت کی عمارتوں کو جامع مسجد سے ملا دیا گیا۔

(حاشیہ ترجمہ ابن خلدون ج۱ ص۹۹)

اس جامع مسجد کی بنیاد عہد فاروقی میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ میں ڈالی تھی، پھر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اس مسجد کی مزید توسیع کی، ان کے بعد زیاد نے اپنے وقت میں اس کی عمارت کو ایک مستحکم اور مضبوط عمارت میں تبدیل کر دیا۔ زیاد کا خود بیان ہے کہ مسجد کوفہ کے ایک ایک ستون پر اٹھارہ سو دینار میں نے خرچ کئے، مسجد کا فرش پہلے کچا تھا اس لئے نمازی جب سجدے سے اٹھتے تو اپنے ہاتھوں کو جھاڑتے تھے، کہ گرد و غبار ہاتھوں سے دور ہو جائے، زیاد کو یہ خدشہ ہو گیا کہ اگر ابھی اس کی تدبیر نہ کی گئی تو ایک وقت ایسا بھی آ سکتا ہے کہ عوام اسے دیکھ کر یہ سمجھنے لگیں گے ایسا کرنا سنت ہے اور یہ قطعاً غلط ہو گا۔ اس لئے انھوں نے پورے فرش پر کنکری منگوا کر بچھوا دی تاکہ نمازی گرد و غبار سے بالکل بچے رہیں، اور ہاتھ منھ جھاڑنے کی نوبت نہ آئے۔

ابن بطوطہ کا بیان آٹھویں صدی ہجری کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جس نے سیاحت میں پچیس چھبیس سال گذارے، وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ کوفہ کی جامع مسجد بہت وسیع اور عظیم الشان ہے اس مسجد کے اندرونی حصہ میں یکے بعد دیگرے سات دالان ہیں، جو ترشے ہوئے پتھروں کے بلند اور ضخیم پایوں پر قائم ہیں، ان پایوں (ستونوں) کی وضع اس

طرح ہے کہ پہلے پتھروں کے ٹکرے بنائے گئے ہیں، پھران ٹکروں کو ایک کو دوسرے پر رکھ کر سیسہ پلایا گیا ہے۔ (ابن بطوطہ ج۱ ص۱۲۳)

مصنف خلافت راشدہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر ابوالیاج بن مالک نے کوفہ شہر کا نقشہ بنایا تھا، درمیان شہر میں ایک مربع وسیع چبوترے پر جامع مسجد تعمیر کی گئی جس میں چالیس ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے تھے، آگے سنگ مرمر کے ستونوں پر دوسو ہاتھ لمبا ایک برآمدہ قائم کیا گیا، جس کی چھت رومی عمارتوں کی چھت کی طرح تھی۔ (خلافت راشدہ ج۲ ص۱۳۶)

ابن بطوطہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں پرانے تبرکات بھی ہیں۔ اس مسجد میں محراب قبلہ کے دائیں جانب ایک حجرہ ہے، کہا جاتا ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مصلیٰ تھا، اسی کے قریب ایک محراب ہے جو ساج کی لکڑیوں پر بنا ہوا ہے، اس محراب کا نام "محراب علی بن ابی طالب رضؓ" ہے، یہیں شقی ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زخم لگایا تھا جس کے صدمہ سے آپ نے جام شہادت نوش جان فرمایا، اس سائبان کے اخیر میں ایک زاویہ ہے جس کو باضابطہ گھیرا گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے نوح علیہ السلام کے زمانہ میں تنور نے جوش مارا تھا، اور پہلے پہل یہیں سے پانی نکلا تھا۔ واللہ اعلم۔

(رحلۃ ابن بطوطہ ج۱ ص۱۲۳)

جامع مسجد قیروان (افریقہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دس ہزار لشکر عقبہ بن نافع الفہری رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں افریقہ بھیجا اور وہ فتح ہوا مگر وہاں کا عجیب حال دیکھا گیا، کہ جہاں مسلمان لشکر لے کر پہنچے، سارے لوگ مطیع و فرمانبردار بن گئے، اور جونہی اسلامی فوج وہاں سے نکلی، لوگوں نے بغاوت کردی، گویا یہ ان کی عادت سی ہوچکی تھی۔

مشورہ کے بعد طے پایا کہ وہاں ایک فوجی چھاؤنی کا قیام ضروری ہے، اس چھاؤنی کے لئے مقام قیروان کو منتخب کیا گیا، اس جگہ کو پہلے جنگلات اور جھاڑ جھنکار سے پاک وصاف کیا گیا، ناہموار زمین کو برابر اور مسطح کیا گیا، اس جنگل میں درندے خونخوار اور زہریلے سانپ رہا کرتے تھے، اسی طرح یہاں بچھو بھی تھے، حضرت عقبہؓ بڑے نیک اور مستجاب الدعوات تھے، انھوں نے رب العٰلمین سے دعاء کی کہ اس جگہ کو ان خطرناک موذی اور زہریلے درندوں اور سانپ وبچھو سے پاک کردے کہ ہم تیرے بندوں کو آباد کریں، اللہ تعالیٰ نے دعاء قبول فرمائی، اور لوگوں نے دیکھا تمام درندے اپنے بچوں کے ساتھ بھاگے چلے جارہے ہیں، اسی طرح زہریلے سانپ بچھوؤں نے بھی اس جگہ کو چھوڑدیا اور دوسری جگہ منتقل ہوگئے،

(فتوح البلدان ص ۲۳۶)

پھر اس کے آباد کرنے کا نقشہ حضرت عقبہؓ نے تیار کیا، کہ لشکریوں کو کیسے اور کس ترتیب سے آباد کیا جائیگا، اس نقشہ کے مطابق مکانات راستے اور دوسری ضروری چیزیں بنائی گئیں۔ ہر قبیلہ کو الگ محلہ میں آباد کرنے کی تجویز تھی، چنانچہ ہر محلہ میں ایک ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی، اور درمیان شہر میں ایک جامع مسجد بنائی گئی، تاکہ جمعہ کی نماز سارے شہر کے لوگ یکجا اسی مسجد میں ادا کرسکیں، واقدی کی روایت ہے کہ یہ ۴۶ھ کا واقعہ ہے عقبہ بن نافع فہری وہاں کے گورنر بنائے گئے، یہ پورا شہر پانچ سال میں مکمل ہوا۔ (ترجمہ تاریخ ابن خلدون ج۵ ص۲۶)

اس جامع مسجد کی بنیاد ۵۰ھ میں ڈالی گئی، جامع مسجد کا طول تین ہزار ہاتھ اور عرض چھ سو ہاتھ رکھا گیا، وہاں کے مشائخ کا بیان یہ بھی ہے کہ جب عقبہؓ کو جامع مسجد بنانے کی فکر ہوئی کہ کہاں بنایا جائے، تو انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص فلاں جگہ کھڑے ہو کر اذان دے رہا ہے، صبح ہوئی تو وہ وہاں پہنچے، اور اس جگہ منبر بنوایا جہاں کھڑے ہو کر اذان پکار رہا تھا۔ اور پھر اسی جگہ جامع مسجد کی داغ بیل ڈالی اور اس کو مکمل کیا۔ (فتوح البلدان ص۲۳۶، ۲۳۸)

ابو العباس جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے افریقہ کا گورنر محمد بن اشعب الخزاعی کو بنایا، یہ نئے گورنر جب آئے تو انھوں نے شہر میں جتنی سرکاری عمارتیں مرمت طلب تھیں ان سب کی مرمت کرائی اور اسی کے ساتھ جامع مسجد کی بھی مرمت وصفائی کا فریضہ ادا کیا، خلیفہ منصور کا زمانہ آیا، تو انھوں نے محمد بن اشعب کی جگہ عمر بن حفص ہزار مرد کو والی بنا دیا۔

(ایضاً ص۲۳۹)

اس مسجد کی کئی دفعہ از سر نو تعمیر ہوئی، امتداد زمانہ سے جب پہلی عمارت کمزور و بوسیدہ ہوگئی تو نئے آنے والے نے جدید تعمیر کی، ۸۲۰ء ۲۰۵ھ میں خصوصی طور پر عمارت کی تجدید عمل میں آئی ۔

اس مسجد کی صورت مستطیل ہے اور اس کے ہر چہار طرف دیوار ہے جس سے یہ گھری ہوئی ہے، اس میں مینار سہ منزلہ ہیں، لیکن تجدید کے باوجود اس کی قدامت ظاہر ہے اور لوگوں کو مرعوب کرتی ہیں ۔

(تمدن عرب صـ۲۴۱)

جامع مسجد عباسیہ (افریقہ)

قیروان سے جانب قبلہ دو میل کی دوری پر ایک محل قصر ابیض کے نام سے تعمیر کیا گیا تھا، اور نقشہ بنوا کر باضابطہ وہاں لوگوں کو آباد بھی کیا گیا تھا، اور ان کے رہنے سہنے کیلئے مکانات بھی بنوائے گئے، اور اس طرح بتدریج اس جگہ نے ایک شہر کی حیثیت حاصل کرلی، اور اس کا نام عباسیہ ہوگیا۔

اس شہر میں ایک جامع مسجد ابراہیم نے بنوائی، جو اینٹ اور گچ سے تیار ہوئی، سنگ مرمر کے ستون بنوائے گئے اور ان ستونوں پر مسجد کی چھت قائم کی، اس مسجد کا طول اور عرض دو سو گز ہے یعنی دو سو گز لمبی اور اتنی ہی چوڑی، گویا مربع عمارت ہے۔

انھوں نے اس وقت یہ بھی کیا کہ بہت سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا، اور اس مسجد کے گرداگرد ان کو آباد کرتے گئے، اس طرح اس شہر میں پانچ ہزار کی آبادی ہوگئی۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شہر ہارون رشید کے عہد میں بسایا گیا تھا، واللہ اعلم۔ (فتوح البلدان ص۲۴۳)

مسجد سدی عقبہ (افریقہ)

جامع قیروان کے بانی حضرت عقبہ بسکرہ کے قریب مدفون ہیں، جس مسجد کے اندر ان کی قبر ہے، وہ مسجد سدی عقبہ کہی جاتی ہے، یہ مسجد بھی افریقہ میں ایک قدیم ترین مسجد ہے، اس مسجد کی تعمیر کا سال ۷۳۹ھ مطابق ۱۳۳۸ء ہے۔

اس مسجد میں ایک عربی مدرسہ ہے جو اوقاف سے چلتا ہے، اس میں تاریخ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ (تمدن عرب ص۲۴۳)

مسجد مولیٰ مراکش

یہاں بہت سی مسجدیں ہیں، ان میں مشہور چند مسجدیں ہیں، مسجدِ مولیٰ نامی ان میں سب سے قدیم ہے، اس مسجد میں دو سو ستر ستون ہیں، اور اس کے اندر تیرہ دالان ہیں۔ ہر دالان میں بیس محرابیں ہیں، اس مسجد کے مینار مکعب ہیں، اس مسجد کی تعمیر کس سنہ میں ہوئی معلوم نہیں ہو سکا۔ (تمدن عرب ص۲۴۳)

مسجد مدائن و مسجد واسط

صحابہ کرام نے اپنے دور میں بہت ساری فتوحات حاصل کیں اور نئے شہر بھی بسائے، اور جن شہروں اور جگہوں میں مسلمانوں کو آباد کیا وہاں مسجدیں بھی ضرور بنوائیں، ان میں مسجد مدائن اور مسجد واسط بھی آتی ہیں۔

مسجد مدائن حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب نے بنوائی، یہ کام حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں انجام پایا، بعد میں اس مسجد کی توسیع بھی ہوئی، اور نئی عمارت مستحکم اور شاندار تیار ہوئی، حضرت حذیفہؓ کا انتقال ۳۶ھ میں مدائن میں ہی ہوا۔

شہر واسط کی بنیاد حجاج نے ڈالی، یہ ۸۳ھ یا ۸۴ھ کا واقعہ ہے، اور دوسری تعمیرات کے ساتھ اس نئے شہر میں ایک جامع مسجد کی بنیاد بھی ڈالی گئی، شروع میں کیمپ کے لئے یہ جگہ تجویز ہوئی تھی، اس زمانہ میں مسلمانوں نے دیکھا کہ ایک راہب اس جگہ کو نجاستوں اور کوڑا کباڑ سے پاک وصاف کر رہا ہے، اس سے لوگوں نے پوچھا، یہ کیوں کر رہے ہو؟ اس نے جواب دیا ہماری کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ ایک زمانہ آئیگا کہ اللہ کے کچھ نیک بندے اس جگہ کو عبادت کے لئے منتخب کریں گے، اور عبادت خانہ بنوائیں گے۔

حجاج کو جب یہ خبر ملی تو اس نے شہر آباد کیا، اور اس جگہ مسجد کی بنیاد ڈالی، جہاں اس راہب نے اپنی کتابوں کے حوالہ سے نشاندہی کی تھی۔ (فتوح البلدان ص ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹ و ترجمہ ابن خلدون ص ۲۵۶)

جامع اموی دمشق

مسلمانوں نے جب دمشق کو فتح کیا، اور یہاں مسلمان آباد ہوئے تو یہاں بکثرت مسجدیں بنائی گئیں، اس شہر میں مسجدیں سیکڑوں کی تعداد میں پائی جاتی ہیں، اور سب ایک پر ایک ہیں، ان تمام مسجدوں میں سب سے بڑی اور حسین وجمیل اور دلکش مسجد جامع اموی ہے، جس کی تعمیر کا سہرا خلیفہ ولید بن عبد الملک کے سر ہے، اس مسجد کی بنیاد خلیفہ موصوف نے ۸۶ھ میں ڈالی، اور متعدد ممالک سے تعمیرات کے فن کے ماہرین کو بڑی تعداد میں بلایا، مورخین کا بیان ہے مختلف ممالک سے بارہ ہزار ماہرین فن جمع ہوئے، اور مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا، اور مسلسل آٹھ سال کی محنت وجفاکشی کے بعد یہ تاریخی مسجد تیار ہوئی۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے جو آٹھویں صدی کا مشہور مسلمان سیاح ہے کہ یہ جامع مسجد دنیا کی تمام مسجدوں میں سب سے بڑی اور صنعت وخوبصورتی میں سب سے فائق اور مضبوط وخوشنما ہے، اس مسجد کی نظیر وشبیہ کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ (سفرنامہ بلاد اسلامیہ ج۱ ص۲۱۶)

طول وعرض اس مسجد کا طول شرقاً وغرباً تین سو ذراع تقریباً ۱۵۰ میٹر ہے اور عرض دو سو ذراع یعنی سو میٹر ہے، اس میں ۶۸ ستون ہیں۔ اور بیس محرابی در ہیں، جن میں صاف اور عمدہ پردے پڑے ہوئے ہیں۔

اور مضبوط کواڑ جڑے ہوئے ہیں، اندر مسجد میں تین مقصورہ بھی ہیں، جن میں سے ایک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہاں صحابہ کرام نماز کے لئے بیٹھا کرتے تھے، یہ مقدس مقصورہ ۴۴ بالشت طویل، اور ۲۲ بالشت عریض ہے۔ دوسرے مقصورہ میں منبر ہے، خطیب اسی منبر سے خطبہ دیتا ہے، اور امام کے لئے اسی میں محراب ہے، یہ صحابہ کرام والے مقصورہ سے بڑا ہے اور مسجد کے وسط میں ہے، تیسرا مقصورہ مغربی جانب میں اضافہ کیا گیا ہے جو اس وقت درس وتدریس کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ان تین مقصوروں کے علاوہ مسجد کے مختلف حصوں میں مخصوص جگہیں بنی ہوئی ہیں، جہاں مدرسین بیٹھ کر درس دیتے ہیں، اور طلبہ پڑھتے ہیں، ان کو وہاں کی اصطلاح میں زاویہ کہا جاتا ہے، ان میں طلبہ کو کافی آرام ہوتا ہے یکسوئی سے ان کو مطالعہ کا موقع ملتا ہے، یہاں آمد ورفت اور بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی ہے، شرقی جانب یعنی امام کے دائیں ہاتھ پر مسجد کا زنانہ درجہ ہے جس میں مستورات امام کی اقتداء میں نماز ادا کرتی ہیں، اس کا راستہ الگ سے ہے، ان کا حوض اندر ہے، پردہ کا معقول انتظام ہے۔

سمت قبلہ ملک شام جس کا مشہور شہر دمشق ہے وہ مکہ مکرمہ سے شمال میں واقع ہے، اس لئے جامع مسجد اموی دمشق میں جنوب (دکھن) کی طرف منھ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ (زیارۃ الشام والقدس ص۴۸، ۴۹)

مسجد کی آراستگی اس مسجد کی چھت عالیشان اور عجیب دلکش ہے۔ چھت کے گول قبوں میں عجیب کاریگری سے روشن دان کھولے گئے ہیں۔ جن سے تمام رخوں سے ہوائیں آتی رہتی ہیں، اور روشنی سے مسجد منور رہتی ہے، چھت اور قبہ کئی حصوں میں منقسم ہیں، اور رنگ برنگ

شیشوں سے آراستہ ہیں، دھوپ میں اس کو دیکھنے سے اس کی چمک دمک دیکھ کر آدمی ششدر رہ جاتا ہے، ابتدائے زمانہ میں دیواروں پر جواہرات نقرہ اور طلار کی پچہ کاری تھی، اس کے آثار اب بھی نمایاں ہیں گلکاری بے نظیر ہے، اس قدر زمانہ گذر جانے کے بعد بھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ معمار ابھی بنا کر اترے ہیں، منبر مسجد کے سامنے مکبریہ ہے جس پر دس بارہ مکبر بآسانی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (زیارۃ الشام والقدس ص۴۹)

نمازی اور تلاوت کرنیوالے پہلے زمانہ میں لاؤڈ اسپیکر جب نہیں تھا تو مکبرین کے ذریعہ آواز تکبیروں کی پہنچائی جاتی تھیں۔ مسجد کے چاروں دروازوں میں سے ہر دروازہ پر وضو خانہ بنا ہوا ہے جس میں تقریباً سو کمرے ہیں، جہاں بکثرت پانی آتا رہتا ہے اور نمازی وضو کرتے رہتے ہیں، یہ مسجد شروع دن سے تہائی رات تک کبھی نمازیوں کی بھیڑ سے خالی نہیں رہتی ہے، اسی طرح قرآن کی تلاوت کرنے والے بھی کافی تعداد میں ہر وقت موجود ہوتے ہیں، یہ فخر کسی دوسری مسجد کو حاصل نہیں ہے۔

(رحلۃ ابن بطوطہ ص۶۶،۶۷)

ولید بن عبد الملک کی فیاضی ولید بن عبد الملک نے اس مسجد کو سونے جواہرات کے نگینوں سے آراستہ کیا، جس میں عجیب وغریب خوبصورت ودیدہ زیب رنگوں کی آمیزش تھی، شیشوں کے رنگین آفتاب بنا کر مسجد میں آویزاں کئے گئے تھے، جن کی تعداد ۷۴ تھی، تین دالان ہیں، جو شرق سے غرب تک مستطیل ہیں۔ ہر دالان کی وسعت اٹھارہ قدم ہے اور ہر دالان ۵۴ ستونوں پر قائم ہے، ان میں آٹھ ستون درمیان میں گچ کے ہیں اور چھ رخام پتھر کے، جو مختلف رنگوں سے مزین ہیں، اور

سبھوں پر محرابیں بنی ہوئی ہیں، اور قبے ہیں، یہ سیسہ کا بنا ہوا ہے۔
اس میں عجب صنعت گری دیکھائی گئی ہے۔

صحن مسجد صحن میں بھی تین دالان ہیں، شرقی، غربی اور جنوبی۔ ہر ایک دالان ۳۳ ستون پر قائم ہیں، صحن کی وسعت سو ہاتھ یعنی پچاس میٹر ہے اور یہ بہت حسین و دلکش ہے، اہل شہر یہاں آکر جمع ہوتے ہیں۔ اور شام سے عشاء تک مسجد میں محدث، فقیہ کا مجمع رہتا ہے، اس صحن میں تین قبے ہیں، غربی قبہ سب سے بڑا ہے، اس کا نام قبہ عائشہ ام المومنین ہے، یہ قبہ آٹھ ستونوں پر قائم ہے، یہ ستون پتھر کے ہیں اور مختلف رنگوں سے آراستہ ہیں، چھت سیسہ پلائی ہوئی مضبوط ہے، جامع کا خزانہ یہیں جمع رہتا ہے، اس کی آمدنی سالانہ پچیس ہزار دینار سونا ہے، دوسرا قبہ صحن کے شرقی حصہ میں ہے، پہلے سے کچھ چھوٹا ہے، اس کے نیچے بھی آٹھ ستون ہیں، اس کا نام قبہ زین العابدین ہے، تیسرا قبہ وسط صحن میں ہے، یہ ان دونوں سے چھوٹا ہے، اور عجیب انداز کا بنا ہوا ہے، اس کے بیچ میں پانی پائپ لگے ہوئے ہیں جس سے پانی اوپر اچھلتا ہے، گویا فوارہ سا ہے، اس کو قفص الماء کہتے ہیں، مسجد کے شرقی جانب میں ایک دروازہ ہے۔

مقصورہ اور محرابیں مسجد کے مغرب میں ایک بڑا مقصورہ ہے، جس میں شاہی امام امامت کرتے ہیں، اس کے شرقی رکن میں محراب کے مقابل ایک خزانہ ہے جس میں وہ قرآن پاک ہے جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شام بھیجا تھا۔ ہر جمعہ میں اس کلام پاک کی زیارت ہوتی ہے، اور اس دن بہت کافی بھیڑ ہوتی ہے، مقصورہ کے بائیں جانب محراب الصحابہ ہے، جہاں مالکی امام امامت کرتے ہیں، مقصورہ کے دائیں جانب

محراب الحنفیہ ہے اس میں حنفی امام امامت کرتے ہیں، اور اس سے متصل محراب الحنابلہ ہے جس میں حنبلی امام امامت کرتے ہیں، اس کے شرق میں ایک عمارت ہے اس کے نیچے وضوخانہ اور استنجاخانہ ہے جہاں وضو کے کمرے ہیں۔

قبر زکریا علیہ السلام اس مسجد میں ستر موذن ہیں، مسجد کے شرقی حصہ میں ایک مقصورہ ہے جس میں پانی کا حوض ہے، وسط مسجد میں حضرت زکریا علیہ السلام کی قبر ہے، اس پر سیاہ ریشمی کپڑا پڑا ہوا رہتا ہے، اس کپڑے پر سفید حروف میں یہ آیت لکھی ہوئی ہے۔ "یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ ۨاسۡمُہٗ یَحۡیٰی"

ختم قرآن کا اہتمام صبح کی نماز کے بعد روزانہ لوگ جمع ہو کر سات ختم قرآن پاک کا کرتے ہیں، اور اسی طرح بعد عصر سات ختم پڑھا جاتا ہے، ان سب کو حکومت کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے، اسی لئے ان کا ایک حاضری نویس بھی مقرر ہے، جو غائب ہوتا ہے، غیر حاضری کے مطابق اس کا وظیفہ وضع ہو جاتا ہے۔

مجاورین و ذاکرین ایک جماعت مجاورین کے نام سے ہے، جن کا کام دن رات نماز پڑھنا، تلاوت کلام اللہ کرنا اور ذکر اللہ میں مشغول رہنا ہے، ان کی تمام ضرورتوں کے ذمہ دار اہل مسجد ہوتے ہیں۔

دروازے اس جامع اموی کے چار دروازے ہیں، قبلہ والا دروازہ باب الزیارۃ کہلاتا ہے، شرقی دروازہ سب سے بڑا ہے وہ جیرون کے نام سے پکارا جاتا ہے، غربی دروازہ باب البرید کے نام سے مشہور ہے اور جنوبی دروازہ باب النطفانیین ہے، اس مسجد کے وضوخانہ میں وضو

کے لیے سو کمرے ہیں، اس مسجد میں امام تیرہ ہیں،

ائمہ مسجد ابن بطوطہ نے ان اماموں کے نام لکھے ہیں جو ان کے زمانہ سیاحت میں متعین تھے، وہ یہ ہیں، شافعی امام قاضی القضاۃ جلال الدین محمد بن عبد الرحمن القزوینی، مالکی امام ابو عمر بن ابی الولید القرطبی، حنفی امام فقیہ عماد الدین الحنفی المعروف با بن الرومی، حنبلی امام شیخ عبداللہ الکفیف۔

درس وتدریس کے حلقے یہ بھی لکھا ہے کہ اس مسجد میں درس وتدریس کے متعدد حلقے ہیں اور مختلف علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی ہے، محدثین اونچی کرسیوں پر ہوتے ہیں، اس مسجد میں کتابت کے معلمین بھی ہیں جو خوش خطی کی مشق کراتے ہیں۔ (رحلہ ابن بطوطہ ص۶۳ تا ۶۷)

۱۴ھ میں شہر دمشق آدھا مصالحت سے اور آدھا بزور شمشیر فتح ہوا تھا، دونوں سپہ سالار سینٹ جان کلیسا پر آ کر ملے تھے، ولید نے فتح کے ستر سال بعد عیسائیوں کو معاوضہ دے کر کلیسا کا باقی حصہ مسجد میں شامل کرنا چاہا، پہلے اس تجویز کی سخت مخالفت ہوئی، اخیر میں عیسائیوں نے مان لیا، اور عبد العزیز نے ایک معقول رقم دے کر ان سے بعد میں راضی نامہ لکھوایا۔

تیمور لنگ کا حملہ اور بربادی ۱۴۰۰ء میں جب تیمور لنگ نے دمشق پر حملہ کیا اور فتح کر کے قابض ہوا، تو اس وقت شہر کی تباہی و بربادی میں اس مسجد کا بڑا حصہ منہدم ہو گیا، موجودہ عمارت کئی مرتبہ کی تعمیر و تجدید کا نتیجہ ہے۔ (خلاصہ تحفۃ النظار مولوی عبد الرحمن خاں ص۳۷)

مسجد ابتدائے تعمیر میں جب یہ مسجد اولاً بنی تھی تو اس کی دیواروں میں

بیش قیمت سنگ مرمر لگا ہوا تھا، اوپر کی طرف گنبد میں پتھر کی پچیکاری تھی، اس کی چھت سنہری تختیوں کی تھی، اور اس میں چھ سو طلائی چراغ آویزاں تھے، نماز کے مصلوں پر بیش بہا پتھر جڑے ہوئے تھے۔

(تمدن عرب ص۱۶۳)

مولانا عاشق الٰہی نے اپنے سفرنامہ "زیارۃ الشام والقدس" مطبوعہ عزیز المطابع میں لکھا ہے، ان کا یہ سفرنامہ رجب ۱۳۲۹ھ کا مرتبہ ہے

"دنیاوی حیثیت سے بھی اس کی تعمیر بے نظیر ہے، دمشق میں مسجدیں بکثرت ہیں، مگر سب میں بڑی اور دنیا میں مشہور ترین جامع مسجد یہی ہے، جو خلفاء بنی امیہ کے عہد حکومت میں تعمیر ہوئی، اس کا بانی ولید بن عبدالملک ہے۔ مسلمان مورخ ابن المعلی الاموی نے لکھا ہے کہ اس جامع اموی کی تعمیر میں سو صندوق صرف ہوئے ہر صندوق میں دو لاکھ اٹھائیس ہزار دینار تھے، کل رقم بحساب انگریزی پانچ کروڑ سے کچھ زیادہ ہوتی ہے، اس مسجد کی صنعت میں یہ بھی مشہور ہے کہ مکڑی جالہ نہیں پور سکتی اور ابابیل گھونسلہ نہیں لگا سکتی۔" (ص۴۷)

اس مسجد میں ایک امام کے پیچھے جو محراب میں کھڑا ہوتا تھا مختلف ممالک کے باشندے اپنی مختلف صورتوں اور لباسوں میں کھڑے نظر آتے تھے، جو ہر درجہ و مرتبہ کے دیندار بادشاہ اور فقیر، آقا اور غلام، امیر اور درویش مساویانہ حالات و کیفیات میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہوتے تھے۔ (اخبار اندلس ص۳۷ ج۱)

نمازیوں کیلئے سہولتیں مسجد کے اندر چھوٹا سا کنواں بھی ہے، جس کا پانی بذریعہ مشین نکلتا ہے، صحن میں بڑے قبّہ کے نیچے حوض ہے جس میں فوارہ لگا ہوا ہے، غربی دروازے کے باہر متعدد بیت الخلاء اور پیشاب کی جگہیں بنی ہوئی ہیں، جس میں پانی جاری رہتا ہے۔ (زیارۃ الشام والقدس ۳۴)

مسجد کی آرائش کا حال اس مسجد کا فرش مرصّع تھا، دیواریں قد آدم سنگ رخام کی تھیں، اس کے اوپر سونے کے ٹائل تھے، جن پر جواہرات سے انگور کی بیلیں بنائی گئی تھیں، اس کے اوپر مختلف رنگوں سے جواہرات سے دنیا کے تمام مشہور شہروں کے نقشے بنائے گئے تھے، محراب میں کعبہ مکرمہ کا نقشہ تھا، چھت سونے کی اینٹوں سے بنائی گئی تھی، اس میں قندیلیں موتی کی زنجیروں میں آویزاں تھیں، محراب صحابہ میں ایک بڑا جوہر تھا، جو قندیلوں کے گل ہو جانے کے بعد اپنی روشنی سے مسجد کو جگمگاتا رہتا تھا۔ بارہ ہزار مزدور روزانہ کام کرتے تھے، امام شافعیؒ نے اس مسجد کو دنیا کے پانچ عجائبات میں شمار کیا کرتے تھے۔ (تاریخ ملت جلد ۳ ص ۲۳)

مسجد کی گھڑی اس جامع اموی کی گھڑی کے متعلق لکھا ہے۔

"جامع دمشق کی گھڑی اس سے بھی زیادہ عجیب تھی، دیوار میں طاق کی شکل کا ایک دریچہ تھا، جس میں بارہ چھوٹے چھوٹے پیتل کے طاقچے تھے، ان طاقچوں میں بارہ بارہ چھوٹے چھوٹے دروازے تھے، پہلے اور اخیر طاقچے کے نیچے دو باز (پرندہ) بنے ہوئے تھے، جو پیتل کی تھالیوں پر کھڑے تھے، جب ایک گھنٹہ گذر جاتا، تو دونوں باز اپنی گردنیں بڑھاتے اور چونچ سے ان تھالیوں میں اس انداز سے پیتل کی گولیاں

گراتے، کہ جادو معلوم ہوتا تھا، گولیوں کے گرنے سے گونج پیدا ہوتی، اور طاقچے کا دروازہ جو اسی گھنٹے کے لئے بنا تھا، خود بخود بند ہو جاتا، اسی طرح جب ایک دورہ ختم ہو جاتا، تو تمام دروازے بند ہو جاتے "۔

(صناعۃ العرب از عبداللہ عمادی ص۱۱، ۱۲ بحوالہ رحلۃ ابن جبیر ص۲۷۱)

اس گھڑی کے بنانے والے ابن الساعاتی تھے، جو گھڑی سازی اور علم نجوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے، یہ گھڑی انھوں نے ملک عادل نورالدین محمود زنگی کے زمانہ میں بنائی تھی اور بہت سارے انعامات واکرام سے نوازے گئے تھے۔

(صناعۃ العرب ص۳۳ بحوالہ طبقات الاطبار ج۲ ص۱۸۴)

مسجد عتیق شیراز

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ شیراز میں ایک بہت بڑی اور کشادہ مسجد ہے، جو مسجد عتیق کے نام سے موسوم ہے، اس مسجد کا صحن وہاں کی تمام مسجدوں سے بڑا ہے، مسجد کی عمارت بھی بہت خوبصورت اور شاندار ہے، فرش سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ موسم گرما میں فرش کو ہر رات دھویا جاتا ہے تاکہ وہ ٹھنڈا ہو جائے، اور دھوپ کی تپش کا اثر جاتا رہے، شہر کے بہت سارے سربرآوردہ اہل علم اور دوسرے نیک لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں اور مغرب وعشاء کی نماز پابندی کے ساتھ اس مسجد میں ادا کرتے ہیں، اس مسجد کے شمال میں ایک بڑا دروازہ ہے، جو باب حسن کے نام سے مشہور ہے، یہ دروازہ میوہ جات کے بازار کی طرف کھلتا ہے، جو یہاں کا انوکھا اور دیدہ زیب بازار ہے۔

اس مسجد میں ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو وعظ ہوا کرتا ہے، اس میں عورتیں بڑی تعداد میں آتی ہیں، اس شہر کی عورتیں پارسا اور نیک سیرت ہیں، دینداری کا ان پر غلبہ ہے، ان کی تعداد مسجد میں دو ہزار کے لگ بھگ ہوتی ہے، عورت و مرد سبھوں کے ہاتھ میں گرمی کے موسم میں پنکھا ضرور ہوتا ہے، جو نماز کے علاوہ وقتوں میں یہ سب

جھلتے رہتے ہیں۔

ابن بطوطہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ عورتوں کا اتنا بڑا مجمع میں نے کسی دوسری مسجد میں نہیں دیکھا، اس مجمع سے ابن بطوطہ کافی متاثر نظر آتے ہیں۔ (رحلۂ ابن بطوطہ ص ۱۵۱/۱۶۰)

شیراز کی ایک دوسری مسجد اس سلسلہ میں ابن بطوطہ نے ایک دوسری مسجد کا بھی ذکر کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ شیراز کے ایک بازار سے گذر رہا تھا کہ ایک دوسری بہت ہی عمدہ مسجد نظر آئی، جس کی عمارت بہت مضبوط اور فرش نہایت خوبصورت تھا، اس مسجد میں ایک کرسی پر ریشمی جزدانوں میں لپٹے ہوئے بہت سے قرآن پاک رکھے ہوئے تھے۔

اس مسجد کے شمال میں ایک زاویہ بنا ہوا ہے، جس کی ایک کھڑکی باہر بازار کی طرف کھلتی ہے، دیکھا اس زاویہ میں ایک شیخ مقدس صورت اچھے لباس میں، پُر وقار بیٹھے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہیں، سامنے قرآن پاک کھلا ہوا ہے، میں نے وہاں پہنچ کر شیخ کو سلام کیا، اور ان کے پاس بیٹھ گیا، انھوں نے تلاوت سے فارغ ہو کر میری حالت وخیریت دریافت کی، میں نے اپنا حال بتا دیا، اس مختصر گفتگو کے بعد میں نے شیخ سے مسجد کے متعلق پوچھا، انھوں نے بتایا کہ یہ مسجد خود میری بنوائی ہوئی ہے، اور اس مسجد پر میں نے بہت ساری جائیداد وقف کر رکھی ہے، جس کی آمدنی سے قرّاء کی امداد ہوتی ہے اور یہ زاویہ جہاں میں بیٹھا ہوں، یہ میری قبر کی جگہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے اس شہر میں مجھے موت دی تو انشاء اللہ اسی جگہ میں دفن کیا جاؤں گا، پھر خود ہی انھوں نے جہاں بیٹھے ہوئے تھے اس سے بستره ہٹا کر دیکھایا

کر دیکھے یہ میری قبر ہے، میں نے دیکھا کہ واقعی قبر تیار ہے، اس کو لکڑی کے تختوں سے پاٹ رکھا ہے، پھر شیخ نے اپنے بغل کی طرف اشارہ کیا تو دیکھا کہ اُدھر ایک بکس پڑا ہوا ہے، انہوں نے بتایا کہ اس میں کفن کے کپڑے اور دوسرے سامان ہیں جو مردوں کو چاہئے، سب فراہم ہیں، کچھ پیسے بھی ہیں، تاکہ اس وقت کسی کو کوئی تردد نہ کرنا پڑے اور لوگ مجھے کفن دے کر اور نماز جنازہ پڑھ کر یہیں دفن کر دیں۔

(رحلہ ابن بطوطہ ج ۱ ص ۱۶)

جامع مسجد سُرّ من رای

اس شہر کو خلیفہ معتصم باللہ نے آباد کرایا تھا، اور لوگوں کو یہاں لا کر بسایا تھا، اور خود بھی اسی شہر میں آ کر اقامت گزیں ہو گیا تھا۔

بازار کے کنارہ پر ایک مسجد بنوائی، ہارون واثق باللہ کے بعد جب جعفر المتوکل باللہ ۲۳۲ھ میں خلیفہ ہوا، تو انھوں نے قصر ہارونی میں قیام کیا، انھوں نے بھی ایک جامع مسجد بنوائی، اور اس پر خوب خرچ کیا، اس کے میناروں کو بلند بنوایا۔ تاکہ موذن کی آواز آسانی کے ساتھ دور تک جا سکے، اس کی تعمیر کے بعد پہلی تعمیر شدہ مسجد میں جانا لوگوں نے کم کر دیا، اس مسجد کے مینارے اس قدر بلند ہیں کہ دور سے ہی نظر آنے لگتے ہیں۔ (فتوح البلدان ص ۳۰۶،۳۰۵)

جامع مسجد تبریز

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں تبریز پہنچ کر اس کی جامع مسجد کا بھی تذکرہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ یہ جامع مسجد انور علی شاہ کی بنوائی ہوئی ہے، جو وہاں شاہ جیلانی کے نام سے مشہور ہیں۔

مسجد سے باہر قبلہ کی جانب ایک دینی مدرسہ بھی ہے، اور بائیں ایک زاویہ (کمرہ) ہے، اس مسجد کا فرش سنگ مرمر کا ہے اور دیواریں قاشانی کی ہیں، اس کے صحن سے ایک نہر گذرتی ہے، اس نہر کے کنارے کنارے رنگ برنگ کے درخت ہیں، اور انگور کی بیلیں کافی پھیلی ہوئی ہیں، جن میں انگور کے گچھے لٹکتے نظر آتے ہیں۔۔۔ چنبیلی پھول کے پودے بھی ہیں۔

یہاں یہ عادت ہے کہ عصر کی نماز کے بعد لوگ بڑی تعداد میں صحن مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں، اور روزانہ سورہ یٰس، سورہ فتح اور دوسری سورتیں پڑھتے ہیں۔ (رحلۃ ابن بطوطہ ص ۱۴۳ ج ۱)

الجامع الکبیر الجزائر

اس مسجد کی تعمیر دسویں صدی عیسوی میں ہوئی، لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ مختلف وقتوں میں اس میں ترمیمات بھی ہوتی رہیں، اس کا برج مربع چودھویں صدی کا بنا ہوا ہے، مسجد کا اندرونی حصہ جس میں چونا گردانی ہے، مطلق آراستہ نہیں ہے بالکل سادہ ہے تاکہ نمازیوں کے سکون قلب میں فرق نہ آنے پائے، نگاہیں نقش و نگار کی طرف مائل ہو کر دل میں خلجان نہ پیدا کر سکیں۔

محرابیں ستونوں پر قائم ہیں، یہ محرابیں زیادہ نوکیلی نہیں ہیں بہت سی محرابیں دندانہ دار ہیں، اس مسجد کے سائبان کے گرد خوبصورت صحن ہے، اس کے ستون سارے سنگ مرمر کے ہیں، جو بہت بعد میں بنائے گئے ہیں۔ (تمدن عرب ص۲۴۲)

جامع مسجد قرطبہ (اندلس)

اندلس جو آج تاریخ میں اسپین کے نام سے جانا جاتا ہے، عالم کی تاریخ کا نمایاں ملک رہ چکا ہے، عبدالرحمٰن اول نے اس ملک کو بہت ترقیاں دیں، اس کی دولت کا اندازہ لگانا مشکل تھا، غیروں کو بھی اعتراف ہے کہ اس ملک کو جو دولت وثروت حاصل تھی، وہ اس وقت کسی دوسرے ملک کو حاصل نہیں تھی۔

اسی کے ساتھ عبدالرحمٰن اول اپنی دینداری، پرہیزگاری، اور رواداری میں شہرت کا مالک تھا، عام حکمرانوں کے عیش ونشاط اور ان کی بدلگامی سے وہ پاک تھا، اپنے دینی فرائض کا پابند تھا، اور اپنے ملکی فرائض کی ادائیگی میں بھی مسلّم شمار ہوتا تھا۔

(اخبار الاندلس باب ہشتم ص۲۱۶)

حکومت کی دیکھ بھال سے جب اس کو فرصت ہوئی، تو اس کے دل میں یہ جذبہ کروٹیں لینے لگا کہ قرطبہ جیسے شہر میں ایک جامع مسجد بنوائی جائے، جو ہر اعتبار سے دوسری مساجد سے ممتاز ہو، مشرق سے یہ اپنے ساتھ علم معماری اور عمارت سازی کا ذوق لایا تھا۔

جامع مسجد کی بنیاد قرطبہ کا شمار اس وقت ترقی یافتہ شہروں میں تھا، اس کی جامع مسجد کے لئے اس نے بطور خود نقشہ تیار کیا تھا، نقشہ جنت نگاہ اور

بڑا ہی دلکش تھا، پھر خود اس نے ۷۸۰ء مطابق ۱۵۳ھ میں اسس عظیم الشان مسجد کا سنگ بنیاد ڈالا، اس وقت وہ بڑھاپے کی عمر میں قدم رکھ چکا تھا، اس لئے اس کی تعمیر کے لئے ممکن حد تک جلدی کا ارادہ کیا، معماروں اور مزدوں کی ایک بڑی تعداد مہیا کی تاکہ اس کی زندگی میں تیار نہ ہوسکے تو کم ازکم اس کی دیواریں ضرور اٹھ جائیں اور آئندہ آنے والا محسوس کرسکے کہ اس کی تعمیر کس نہج پر ہوگی۔

(تاریخ اسپین ص۲۶۴ و تمدن عرب فصل چہارم)

سلطان مزدوروں میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ تھا، دور دراز صوبوں سے اس سلسلہ کی آمدنی، سامان، مسالے اور رنگ وغیرہ جمع ہو گئے اور جب کام شروع ہوا تو روزانہ ایک گھنٹہ خود مزدوروں کے ساتھ سلطان نے کام کرنا شروع کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزدوروں، معماروں اور انجینئروں میں بے پناہ کام کا جذبہ ابھر آیا، خزانہ کا منھ کھول دیا گیا، کام بڑی تیزی کے ساتھ ہونا شروع ہوگیا، اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی میں دولاکھ طلائی سکوں سے زیادہ خرچ کیا، مگر بایں ہمہ جدوجہد مسجد اپنی تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ (تاریخ اسپین ص۲۶۴)

جب موت کے دن قریب آگئے، تو اس نے اس ادھوری مسجد میں ایک عام بڑے اجتماع کا انتظام کیا، اس کو شاہی پردوں سے سجایا، اور خود سفید کپڑوں میں حاضر ہوا، اور ساری پبلک سے اپنا دردِ دل کہا، اور جو کرنا چاہا تھا اسے بیان کیا، اس کے چند ہفتوں کے بعد ہی عبدالرحمن اوّل راہی ملک عدم ہوا، اور لوگوں نے اس کی نماز جنازہ ادا کی۔

باپ کے بعد بیٹا | عبدالرحمن اول کی وفات کے بعد اس تعمیری کام کی ذمہ داری اس کے بیٹے ہشام کے سر آئی، اس نے بھی اپنے باپ کے اُس نامکمل کام سے کافی دلچسپی لی، اور اس کی تکمیل کے لئے جو کچھ کر سکتا تھا اس پر کافی توجہ دی، اس نے اس سلسلہ میں اپنے باپ کے ذوق و شوق کی پوری رعایت کی، اور باپ کی طرح خود اس مسجد کے کام میں مزدوروں اور معماروں کے ساتھ کام کرنے لگا اور سرمایہ لگانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، چنانچہ مسجد کی تکمیل اس کے ہاتھوں ہوگئی، اس نے اپنے ہاتھوں سے اس وقت ایک لاکھ ساٹھ ہزار اشرفیاں خرچ کیں۔

(اخبار الاندلس ص۴۳۵ باب نہم)

بعد والوں کی خدمت مسجد | اس کے بعد بھی آنے والے بادشاہوں نے اپنے اپنے وقت میں اس مسجد پر اپنی توجہ مرکوز رکھی، یکے بعد دیگرے نو بادشاہوں نے اس مسجد کی توسیع و آرائش میں حصہ لیا، اور یہ مسجد دنیا کی سب سے زیادہ مشہور مسجد شمار ہونے لگی، حسن و زینت کا کہنا چاہیے اس پر خاتمہ ہوگیا، دو سو سال تک حکمرانی اس خاندان کی باقی رہی، اور ہر ایک نے اپنے پہلے بزرگ کے نقش قدم کی پیروی کی۔ اس کے نتیجے میں یہ مسجد مثالی ہوگئی اور اپنی پختگی اور استحکام اور دلکشی و دلربائی میں اپنی مثال آپ ہوگئی، چنانچہ اس مسجد کا جو حصہ وحشی عیسائی پادریوں کی بربادی و تباہی سے بچا ہوا ہے وہ آج بھی صدیاں گذر جانے کے باوجود اس طرح تازہ ہے کہ دیکھنے والا محسوس کرتا ہے کہ اس کے بنانے والے معمار ابھی اتر کر گئے ہیں۔

مقصورہ | محراب کے سامنے مقصورہ تھا، یعنی مسجد کا وہ مخصوص حصہ

جس میں خلیفۃ المسلمین، خاندان شاہی کے افراد، اور نامی گرامی علمار کرام ہی نماز ادا کر سکتے تھے، عام لوگوں کو اس حصہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی، یہ مقصورہ سات ستونوں پر بنا ہوا تھا، اس کا دروازہ محراب کی طرف کھلتا تھا، اس مقصورہ کی وسعت یہ تھی، طول ایک سو بارہ فٹ اور عرض تینتیس فٹ، اس کا احاطہ خوشبودار لکڑیوں سے بنایا گیا تھا، اس میں جالیاں اس طرح بنائی گئی تھیں کہ اندر کا آدمی باہر دیکھ سکتا تھا، لیکن باہر سے اندر کا آدمی نظر نہیں آتا تھا، جالیوں کی بلندی پچاس فٹ تھی، اندر کا فرش بہت دیدہ زیب تھا، مقصورہ محل شاہی کے قریب تھا کہ خلیفہ کو شاہی محل سے نماز کے لئے مقصورہ میں آتے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا، اس کا بڑا دروازہ جس سے امیر المومنین مقصورہ میں برائے نماز آتے تھے اس پر سونے کی چادر مڑھی ہوئی تھی۔

تعلیم وطلبہ | مسجد کے دائیں عرض میں اڑتیس اور بائیں جانب انتیس صحن تھے، صحن مسجد میں چار وسیع حوض تھے، جو پانی سے لبریز رہا کرتے تھے ان حوضوں میں پانی نل کے ذریعہ قریب کی ایک پہاڑی سے لایا گیا تھا، مسجد کے بازو پر ان گنت کمرے اور حجرے بنے ہوئے تھے جن میں مسافر سیاح، اور طلبہ علم رہا کرتے تھے، ان سب کی خوراک اور مہمانی کا نظم شاہی مہمان خانے سے ہوتا تھا۔

(ترجمہ تاریخ ابن خلدون ج ۳ ص۳۰۲ اور مسلمانوں کا عروج وزوال ص۱۶۴)

روشنی کا انتظام | مسجد کا اندرونی دالان بہت وسیع تھا، مگر اس کی نسبت سے اونچائی کم تھی، اس لئے دن رات مسجد میں روشنی جلتی رہتی تھی، اس زمانہ میں بجلی کا انتظام نہ تھا، مگر روشنی کا ایسا نظم تھا کہ روشنی

میں کوئی کمی نہیں محسوس ہوتی تھی، چاندی اور تانبے کے جھاڑ فانوس بنائے گئے تھے، جن کی تعداد اس مسجد میں دو سو آٹھ تھی، ایک ایک جھاڑ فانوس میں سیکڑوں بتیاں اور چراغ ہوتے تھے، تیل ان چراغوں میں خوشبودار جلتا تھا، محراب والی قندیل خالص سونے کی تھی، ان جھاڑ فانوسوں میں سے ایک جھاڑ فانوس میں جو سب سے بڑا تھا، چودہ سو چون چراغ تھے، اس کی روشنی کو بڑھانے اور تیز کرنے کے لیے چھتیس ہزار چاندی کے چمکدار ترٹے جڑے ہوئے تھے، جن کو سونے کی کیلوں سے ملایا گیا تھا، جگہ جگہ جواہرات بھی لگے ہوئے تھے، اس کے علاوہ جگہ جگہ اس میں آئینے لگا دیئے گئے تھے، تاکہ روشنی آئینوں کی وجہ سے تیز ہو کر چاندنی کا سماں پیدا کردے، اسی وجہ سے مسجد کا اندرونی حصہ ہر وقت دن بنا رہتا تھا، ان چراغوں کی تعداد چار ہزار سات سو بتائی گئی ہے۔ محراب میں امام کی جگہ میں سونے کا چراغ جلتا تھا۔ (اخبار الاندلس جلد ۱ ص ۱۶۶)

سالانہ تیل کا خرچ اس مسجد میں پختہ تین سو من تھا اور ڈیڑھ من عود، عنبر اور لوبان خوشبو کے لئے جلتا تھا۔ (مسلمانوں کا عروج وزوال ص ۱۶۲)

رمضان میں اہتمام اس مسجد میں رمضان المبارک کے اندر بڑا اہتمام ہوا کرتا تھا، بڑی چہل پہل ہوتی تھی، بتیوں اور روشنی کا انتظام بڑھ جاتا تھا، پورے رمضان میں بیس ہزار چراغ جلتے تھے، ایک بہت بڑی موم بتی رمضان کے لئے بنوائی جاتی تھی، جس کا وزن تیس سیر ہوتا تھا، یہ مقصورہ میں جلتی تھی، اس کے بنانے کا کمال یہ تھا کہ پہلی رمضان کی رات سے جلنا شروع ہوتی تھی اور ٹھیک رمضان کی اخیر رات میں ختم ہو جاتی تھی، نمازیوں کا بڑا ہجوم ہوتا تھا، نمازی سیل رواں

کی طرح مسجد میں داخل ہوتے تھے، لوبان، اور عود کی خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتے تھے، اس ہجوم میں یہ بھی کمال تھا کہ محراب نمایاں رہتا تھا، اور امام صاف نظر آتا تھا۔ (تاریخ اسپین ص۲۶۵)

مینار مسجد مسجد میں ایک مینار تھا جو صنعت کا بہترین نمونہ تھا، اس مینار کے متعلق ہر زمانہ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ دنیا میں یہ اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، ستائیس فٹ مربع ضخیم اور دو سو چالیس فٹ بلند تھا، یہ سنگ رخام سے بنایا گیا تھا، اس کی زمین لاجوردی اور کنارے منقش تھے، جن پر دلکش نقش و نگار بنے ہوئے تھے، اس کے اوپر تین گنبد تھے، ان میں دو سونے کے تھے اور ایک چاندی کا تھا، اور ان تینوں کے اوپر سونے کا کلس انار نما بنی ہوئی تھی، ان کے گرد چاندی کے بنے ہوئے چنبیلی کے پھول لپٹے ہوئے تھے، جو دیکھنے میں بہت عمدہ اور جاذب نظر تھے۔

اہل عرب کی جو دولت اس پر صرف ہوئی ہے، اس کا تخمینہ ڈیڑھ کروڑ دینار سرخ اس وقت لگاتے تھے، جو دوسری تمام مسجدوں کے اخراجات سے بڑھا ہوا ہے، کسی دوسری مسجد پر اتنی لمبی رقم خرچ نہیں ہوئی

(اخبار الاندلس ص۲۶۱)

طول و عرض جامع مسجد قرطبہ کی لمبائی چھ سو بیس فٹ اور چوڑائی چار سو چالیس فٹ تھی، اندر جانے کے لئے محراب نما اکیس دروازے تھے چھت کی حفاظت کے لئے سیسہ کی ایک انچ موٹی چادر لگائی گئی تھی، شمالی دیوار کی بلندی تیس فٹ تھی، اور دریا کے قرب کے باعث اس کی دیوار کی بلندی بڑھتی جاتی تھی، کیونکہ اس طرف نشیب تھا، وادی الکبر کے کنارے سے ستر فٹ تک بلندی پہنچ گئی تھی۔ (ایضاً)

عورتوں کیلئے مخصوص انتظام ان اکیس دروازوں میں تین دروازے مستورات کے لئے مخصوص تھے، ان تمام دروازوں پر زرد اور سرخ چینی کا کام تھا، اور اس کی سرخ و نیلی زمین پر جگہ جگہ سنہرے رنگ کے کتبے لگے ہوئے تھے، جو خالص سونے سے لکھے گئے تھے، کواڑوں پر خوبصورت و حسین اور صاف و شفاف تانبے کے پتر لگائے گئے تھے۔ کہیں کہیں کواڑوں پر خوشنما بڑے بڑے کڑے لگے ہوئے تھے، علاوہ ازیں تمام دروازوں پر رنگین چمڑے کے پردے پڑے تھے، جن پر رنگین بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔

ستونوں کی تعداد اس مسجد کے ستونوں کی تعداد چودہ سو سے زیادہ تھی، اندر پہنچ کر آدمی ان ستونوں کے ہجوم میں کھو جاتا تھا، اور ان ستونوں کو دیکھ کر متحیر رہ جاتا تھا، ایک کنارے کھڑے ہو کر دوسرے کنارہ کی طرف جب نظر جاتی تھی تو معلوم ہوتا تھا کہ ستونوں کا یہ سلسلہ کہیں پہنچ کر ختم نہیں ہوا ہے، ان ستونوں کا زیادہ حصہ سونے سے ڈھکا ہوا تھا، ان کے اوپر دوہرے سفید و سرخ رنگ کی محرابیں تھیں اور ان محرابوں کے اوپر چھت، گلکاری ایسی تھی کہ دیکھنے والا دیکھتے ہی رہ جاتا تھا، پھر بھی سیرابی نہیں ہوتی تھی، جگہ جگہ مناسب موقع سے بڑے حسین انداز میں قرآن پاک کی آیتیں کندہ تھیں، چھت کہیں سے دیکھنے میں بیضوی کہیں شش پہل اور کہیں سے گول معلوم ہوتی تھی۔

(اخبار الاندلس صـ ٦٦١/١٧٠)

مسجد کا فرش مختلف رنگین و خوشنما پتھروں سے بنایا گیا تھا، ان کا نقشہ گو سادہ تھا، مگر اس میں بڑی جاذبیت تھی، جالیاں زبرجد کی تھیں

اور بڑی نازک و دلربا، پھول پتیوں کا عالم یہ تھا کہ ہر ایک بیل بوٹے کی شکل و صورت الگ الگ معلوم ہوتی تھی۔

گنبد کے متعلق تمدن عرب کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک ہزار ترانوے ستونوں پر قائم تھا، ستون مختلف رنگ کے تھے، مگر سب سنگ مرمر کے تھے۔ ہر ایک پر کانسے کے پتر چڑھے ہوئے تھے، ان پتروں پر باریک کام بنے ہوئے تھے، بیچ کے دروازے پر کانسے کے بجائے سونے کی چادریں چڑھائی گئی تھیں، مشرق و مغرب کی جانب بھی نو، نو دروازے تھے۔ (تمدن عرب فصل چہارم اور مسلمانوں کا عروج وزوال ۲۷)

محراب و قبہ | محراب کا قبہ اپنی آپ مثال تھا، اس کے دو دروازے تھے جو سنگ سبز اور لاجورد کے نہایت نازک چار ستون پر قائم تھے، ان کے اوپر محرابیں تھیں، اس محراب کی زمین سنگ مرمر کی تھی، جس پر نقش و نگار اور پھول پتیاں بنی ہوئی تھیں، تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر سونے کا کام تھا اس کی پوری چھت ایک مسلّم پتھر کی تھی، پہلے اس کو کھود کر سیپ کی شکل بنائی گئی تھی، پھر اس چھت میں کوفی خط میں کتبے لگے ہوئے تھے، اور وہ سب خالص سونے سے لکھے گئے تھے، اس کی مضبوطی کا تذکرہ کر کے مصنف لکھتا ہے۔

„وحشی عیسائیوں اور مردم خور پادریوں کی ساری ہولناکیوں کے باوجود جو حصہ بچ گیا ہے، وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی بن کر تیار ہوا ہے، حیرت تو یہ ہے ہزاروں انقلاب گذر گئے لاکھوں صدمے ان کو برداشت کرنے پڑے، گیارہ صدیوں میں کروڑوں تباہ کن ہاتھوں نے

ان کو پامال کرنا چاہا، مگر ان کی چمک دمک اس وقت تک ویسی کی ویسی ہی ہے جیسی کہ اُس وقت جب یہ بنائے گئے تھے" (اخبار الاندلس ص۶۶۳ ج۱)

اس جامع مسجد کی نگرانی اور حفاظت کے لئے تین سو بڑے بڑے عہدہ دار تھے۔ (اخبار الاندلس ص۶۶۷، ۶۶۸)

مینار مسجد تاریخ اسپین میں اس کے مینار کی بلندی دوسو چالیس فٹ لکھی ہے اور گنبد اور انار کا بھی تذکرہ ہے، یہ مشہور مینار امیر المومنین الناصر لدین اللہ کا بنوایا ہوا تھا۔

عیسائیوں کے مظالم مسلمانوں پر جب زوال آیا، اور ان کی حکومت کا چراغ گل ہوا، تو وحشی عیسائیوں نے پورے ملک کو تباہ و برباد کیا۔ اسی کے ساتھ مسلمانوں کا قتل عام کیا، اور جبرًا ان کے مذہب بدلوائے، حد یہ ہے کہ یہاں کی مسجدوں کو بھی معاف نہیں کیا، قرطبہ میں چھ سو مسجدیں تھیں، مگر آج سوائے جامع قرطبہ کے کھنڈرات کے کسی دوسری مسجد کا کوئی نام ونشان باقی نہیں رہا، جامع مسجد قرطبہ کو بھی خوب اچھی طرح لوٹا کھسوٹا، اور اپنے پیٹ بھرے، اس مسجد کی وہ ساری چیزیں جو قیمتی اور عجوبہ روزگار تھیں، سب کو نکال کرلے گئے، جس کا افسوس خود بعد والے یورپی عیسائی مصنفین کو بھی ہے، اور یہ سارا مواد ان کی تصنیفات میں موجود ہے، عیسائیوں کے قبضہ کے بعد اس جامع مسجد میں ایک کلیسا کی تعمیر شروع کی گئی تھی، اور اس سلسلہ میں مسجد کی دیواروں اور آرائش اور کتبوں کو بگاڑ ڈالا گیا، اسی طرح فرش کے قیمتی اجزاء فروخت کر دیئے گئے، تمدن عرب میں ہے کہ ایک

مصلّیٰ باقی رہ گیا ہے جو وحشیانہ دست بُرد سے محفوظ رہ گیا ہے، وہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہے، اس سے اصل مسجد کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (تمدن عرب فصل چہارم)

ایک انگریز کا بیان | مسٹر اسکاٹ اپنی کتاب اخبار اندلس میں لکھتے ہیں۔

"اس مسجد نے مسلمانان اندلس کی دماغی ترقی، اور وحشی یورپ کی تہذیب میں اتنی مدد کی ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا ہے، اس زمانہ میں کوئی ایسا مذہب نہیں تھا، جو اپنا ایسا معبد پیش کرتا ہو" (ص ۶۶۲)

ان کے علاوہ دوسرے باکمال اور اہل علم یورپینوں نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اندلس کی یہ جامع مسجد قرطبہ صنعت کا بہترین اور نادر نمونہ ہے، اور اس سے یورپ کو بڑے فائدے حاصل ہوئے ہیں۔

علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ قرطبہ کی جامع مسجد اس قدر وسیع تھی کہ بیک وقت اس میں اسّی ہزار آدمی نماز پڑھتے تھے۔

مسجد مدینۃ الزہرار اندلس

اس نام سے ایک شاہی محل تھا جس کو عبدالرحمٰن ثالث نے اپنی کنیز زہرار کے نام پر اس کی یادگار کے طور پر بنایا تھا، اس کی دیواریں بہت مضبوط تھیں، بائیس سو ہاتھ لمبا اور سترہ سو ہاتھ چوڑا تھا۔ اسی وسعت کی وجہ سے اس کو مدینۃ الزہرار کے نام یاد کیا جاتا تھا تاریخ اندلس میں یہ عمارت خاصی شہرت رکھتی ہے، اس قصر شاہی میں ایک مسجد بھی بنائی گئی تھی جو شاہی جاہ وجلال کی حامل تھی، اور اس سے شان وشکوہ سلطانی ظاہر ہوتا تھا، یہ مسجد بادشاہ اور شاہزادوں کے نماز پڑھنے اور عبادت کرنے کے لئے تیار ہوئی تھی، یہ مسجد دارالخلافت کی جامع مسجد سے بہت سی خوبیوں میں ممتاز شمار ہوتی تھی، نقشہ وہی تھا جو جامع مسجد کا تھا، مگر اس سے چھوٹی تھی، اس مسجد میں اندرونی دالان پانچ تھے، اس مسجد کا سنہرا اور روپہلا کام صنعت ایشیا کا بہترین نمونہ تھا، اس کی محرابیں اور منبر اپنی آپ مثال کی حیثیت رکھتے تھے، اس کے مینار بھی دلکش تھے جو دس ہاتھ مربع موٹے اور چالیس ہاتھ بلند تھے۔

مسجد کا صحن سنگ رخام سے تیار کرایا گیا تھا، اس مسجد کے صحن میں ایک دلکش وعمدہ فوارہ تھا اور ساتھ ہی ایک حوض بھی جس پر سونا چڑھا ہوا تھا، اور بڑی خوبصورتی سے نقاشی کاری کی گئی تھی، یہ قصر زہرار بڑھتے بڑھتے ایک چھوٹا سا شہر بن گیا تھا۔ (اخبار الاندلس ج ۱ ص ۶۳۲)

جامع عمرو بن العاص ؓ مصر

مصر میں مسجدوں کی کمی نہیں، یہاں مسجدوں کی تعمیر کا سلسلہ عہدِ صحابہ کرام سے چلا آرہا ہے، اس ملک میں سب سے پہلی مسجد جو وجود میں آئی، وہ یہی جامع عمرو بن العاص ہے، جس کی بنیاد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ڈالی تھی، اس مشہور مسجد کے سنگ بنیاد میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابی رسول شریک تھے۔ جیسے حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت ابوبصرہؓ، حضرت محمد بن زبیدیؓ، اور حضرت منبہ بن صواب رضی اللہ عنہم ان مقدس حضرات کے ہاتھوں بنیاد ڈالی گئی تھی، یہ ۲۱ھ مطابق ۶۴۲ء کا واقعہ ہے، ابتدائے تعمیر میں اس کا طول ڈیڑھ سو ہاتھ اور عرض تیس ہاتھ تھا، جس جس طرح آبادی میں اضافہ ہوتا گیا، مسجد کی توسیع ہوتی رہی، اور عمارت کی مضبوطی اور اس کی تزئین و استحکام میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔

مسجد کی توسیع ۲۱۲ھ میں اس مسجد کو کافی وسعت دی گئی، جس سے مسجد کا طول ایک سو بانوے ہاتھ ہوگیا، اور عرض پچاس ہاتھ، اس مسجد میں بیت المال قائم کیا گیا، پھر ۳۷۱ھ میں اس عمارت کے سامنے ایک فوارہ بنا دیا گیا، یہاں رخام نامی پتھر کے مٹکے بھی بنوا کر رکھے گئے تاکہ پیاسے افراد یہاں آکر اپنی تشنگی بجھائیں۔

آٹھویں صدی ہجری میں اس مسجد کے ستونوں کی گنتی ہوئی، تو ان کی تعداد ۳۷۸ تھی، اس مسجد کے ستونوں کے متعلق کچھ ایسی باتیں پھیل گئیں کہ لوگ ان پر ٹوٹے پڑتے تھے، اور عجیب وغریب ان ستونوں کے ساتھ لوگ حرکات کیا کرتے تھے، چنانچہ محکمہ اوقاف کو اس کی سخت فکر ہوگئی، اور اس کو لوگوں کے ہجوم سے بچانے کے لئے لوہے کی چادروں سے گھیرنا پڑا۔

دوبارہ تعمیر ۱۲۱۲ھ میں امیر مراد بک نے اس مسجد کی جدید تعمیر کا ارادہ کیا، اور کافی سرمایہ خرچ کر کے اس کی دوبارہ تعمیر کرائی، اس کے بعد فرانسیسیوں نے مصر پر جب حملہ کیا تو انھوں نے دوسری چیزوں کے تباہ کرنے کے ساتھ جامع مسجد عمرو کو بھی برباد کیا، محکمہ اوقاف کی طرف سے ۱۳۱۷ھ میں تھوڑی بہت مرمت کرائی گئی، مگر اس مرمت سے مسجد اپنی اصلی صورت میں نہیں آسکی، مگر ذمہ داروں کو اس کی برابر فکر رہی، چنانچہ اس کے لئے ایک انجمن کا قیام عمل میں آیا، جو تاریخ میں "لجنۃ حفظ الآثار القدیمہ" کے نام سے مشہور ہے، اس انجمن نے جامع عمرو کی اصلاح ومرمت اور تجدید تعمیر پر کافی توجہ دی، مگر مالیات کی کمزوری کی وجہ سے حسبِ دلخواہ کامیابی نہیں ہوسکی۔

مسجد سے سلطان مصر کی دلچسپی سلطان مصر کو بھی اس مسجد کی فکر رہی۔ اور انھوں نے چاہا کہ کسی طرح یہ مسجد اپنی پہلی شان وشوکت حاصل کرلے اور پہلے نقشہ کے اعتبار سے اس میں کوئی تغیر وتبدل نہ ہو، تاکہ اس مسجد سے پرانی یادیں قائم رہ سکیں۔ چنانچہ انھوں نے معماروں میں انعام کا اعلان کیا کہ جو پارٹی اس کو پہلے نقشہ کے مطابق بنائے گی اس کو

انعام دیا جائے گا، تین انعامات طے ہوئے، پہلا انعام ۲۵۰۰ پونڈ رکھا گیا، دوسرا ۱۰۰۰ ہزار پونڈ اور تیسرا انعام ۵۰۰ پونڈ مقرر کیا گیا۔

(سفر نامہ بلاد اسلامیہ ص۲۹)

درس و تدریس کے حلقے یہ عظیم الشان مسجد علم وفن کا گہوارہ تھی، اور عرصہ دراز تک اس مسجد سے علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت ہوتی رہی، پہلے ایک بزرگ وعظ کیا کرتے تھے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب اس مسجد میں پہنچے ہیں تو دیکھا کہ درس و تدریس کے اسی حلقے قائم ہیں، چنانچہ انھوں نے بھی یہاں اپنا ایک حلقہ قائم کیا، جو مسجد کے مشرقی حصہ میں تھا، وہاں بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے۔

مقریزی کا بیان ہے کہ عبد الرحمٰن بن الصائب نے جامع عمرو بن العاص میں درس و تدریس کے چالیس سے زیادہ حلقے پائے، یہ تعلیمی نظام اس مسجد میں ۷۴۹ھ ۱۳۴۸ء تک باقی رہا۔

مسجد کی رونق یہ دستور تھا کہ خلیفۂ وقت جس مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھتا تھا، اس کی وجہ سے اس مسجد میں بہت بڑا مجمع ہوا کرتا تھا، عام لوگ اس میں بڑی تعداد میں آیا کرتے تھے، اور خلیفہ کے ساتھ نماز ادا کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے، چنانچہ مصر میں جب فاطمی حکومت قائم ہوئی، تو اس کے خلیفہ نے یہ اہتمام کیا کہ رمضان کے چار جمعے چار مسجدوں میں ادا کیا کرتا تھا، رمضان کا پہلا جمعہ وہ مسجد قاہرہ میں ادا کرتا تھا، دوسرا جمعہ جامع مسجد حاکم میں، تیسرا جمعہ جامع ابن طولون میں، اور رمضان کا آخری جمعہ جامع عمرو بن العاص میں ادا کرتا تھا، اس لئے ان چاروں مسجدوں میں جمعہ کے دن کافی نمازیوں کی بھیڑ جمع ہوتی تھی، اور سب سے

زیادہ اجتماع جامع عمروؓ میں ہوتا تھا، ایک خلیفہ وقت کی آمد، دوسرے آخری جمعۂ رمضان کی عوام میں اہمیت، سال کے بقیہ مہینوں میں خلیفہ جامع عمروؓ میں ہی جمعہ ادا کیا کرتے تھے، اس سے جامع عمروؓ کی رونق دوبالا رہا کرتی تھی۔

ایک سیاح نے لکھا ہے کہ اس وقت جامع عمرو بن العاص کی وسعت طول ایک سو اسی میٹر اور عرض ایک سو بیس میٹر ہے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جب شہر فسطاط نامی برباد ہو گیا، جو مصر میں ہی تھا تو جامع عمروؓ کی رونق میں کافی کمی آگئی، اور ایک صدی تک اس کا یہی حال رہا۔

محمد علی پاشا کی توجہ لیکن جب وہاں محمد علی پاشا سریر آرائے حکومت ہوئے، تو انھوں نے پہلا طریقہ جاری کر دیا، اور پہلے خلیفوں کی طرح جمعہ کی نماز پابندی سے جامع عمرو بن العاص میں ادا کرنے لگے، اسی وجہ سے ایک وقف بھی اس کے نام کر دیا تھا، جس کی وجہ سے پھر اس کی رونق دوبالا ہو گئی، مسجد کا نظام بھی درست ہو گیا، اور نمازیوں کی بھیڑ بھی آنے لگی۔ (تمدن عرب)

خلیفہ جہاں نماز کے لئے آیا کرتے تھے، ان کے ساتھ قاضی القضاۃ شیخ الازہر، مفتی وقت، وزرائے سلطنت، اعیان مصر، اور علماء کبار بھی ہوا کرتے تھے، اور اس مجمع کی کشش عوام کو بھی کھینچ لایا کرتی تھی۔

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ان اعیانِ حکومت کے خدام بہت پہلے پہنچ کر ان کے مصلے مسجد میں بچھا دیا کرتے تھے، اور وہ سب آکر اپنے اپنے مصلوں پر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ (رحلۃ ابن بطوطہ ج ۲۴ ص ۱۰)

مسجد کی عمارت مصنف سفرنامہ بلاد اسلامیہ نے لکھا ہے اس جامع کی عمارت قدیم وضع کی ہے، اس کا نقشہ بہت سادہ اور آرائشوں اور زیب و زینت سے بڑی حد تک پاک وصاف ہے۔

(سفرنامہ بلاد اسلامیہ ص۲۹)

اس مسجد عمرو کے ستون مختلف یونانی اور رومی عمارتوں کی وضع سے لئے گئے ہیں، اور اس میں جدت پیدا کی گئی ہے، ان کے اوپر محرابیں ہیں، جو ڈانٹ کی طرح سادہ ہیں یعنی اوپر کی طرف نوکدار کم ہیں اور نیچے بھی برائے نام ہیں، مختصر یہ کہ اس کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ طرز عربی پیدا ہو گئی ہے۔ باقی ستون کی کل تعداد ۱۲۷ ہے، بقیہ چیزیں زمانہ کے امتداد سے باقی نہیں ہیں، اس کے مینار بھی سادہ ہیں۔ زیادہ اونچے بھی نہیں ہیں، مسجد گل بوٹوں سے پاک ہے، مگر اس کے باوجود شاندار ہے اور دلکش وجاذب نظر ہے۔ (تمدن عرب)

جامع مسجد فسطاط مصر

یہ شہر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بسایا گیا، اور آپ کی ہی ھدایت کے مطابق شہر کے بیچ میں ایک عالیشان جامع مسجد کی تعمیر کی گئی، یہ مسجد پچاس ہاتھ لمبی اور پچاس ہاتھ چوڑی ہے، اس کے تین دروازے تھے، ایک دارالحکومت کے سامنے تھا۔

یہ مسجد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ناکافی سمجھی گئی، نمازی سارے نہیں آتے تھے، اس لئے اس کی توسیع ضروری سمجھی گئی اور وسیع کردی گئی، فرش مسجد کو پختہ کردیا گیا، اور چھت کو منقش کیا گیا، اذان کے لئے مئذنہ بھی تعمیر کیا گیا۔

عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ضرورت کی وجہ سے مزید توسیع کی گئی، یہ مسجد بھی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، اور "مسجد عمرو بن العاص" کے نام سے جانی جاتی اور پکاری جاتی ہے، مصر میں اس زمانہ میں بھی رمضان کا آخری حصہ اہتمام سے لوگ اسی مسجد میں ادا کرتے ہیں، فسطاط مصر کی اسلامی حکومت کا صدر مقام قرار پایا تھا، کوئی شبہ نہیں کہ اس شہر نے شان وشوکت کے اعتبار سے بہت ترقی کی ہے۔

حکومت بنی فاطمہ کے زمانہ میں اس کے قریب ایک نئے شہر

قاہرہ کی بنیاد ڈالی گئی تھی، تو فسطاط کی حیثیت بتدریج گھٹتی چلی گئی، اور فسطاط کی پہلی حیثیت باقی نہیں رہی۔ (تاریخ ملت ج۲ ص۱۹۵)

قدیم مصری مسجدوں کی خصوصیات

جامع ازہر کے سوا بقیہ تمام قدیم مسجدیں اندر اور باہر سے مسقف ہیں، بیرون مسجد میں وضو کے لئے حوض بنے ہوئے ہیں یا ٹوٹیاں لگی ہوئی ہیں، جہاں بیٹھ کر نمازی وضو کرتے ہیں، مسجدوں کے گنبد ایک خاص مشرقی طرز کے بنے ہوئے ہیں شمالی طرف ایک بہت بلند مینار بنا ہوا ہوتا ہے، جس میں اوپر جانے کے واسطے چکردار زینے بنے ہوئے ہیں، قدیم مسجدوں کے مینار عام طور پر کئی منزل ہوتے ہیں اور ہر منزل پر منارہ کے گرد ایک چھجا ہوتا ہے موذن اس چھجے پر کھڑا ہو کر اذان دیتا ہے، اور ہر جملہ پر آگے بڑھتا جاتا ہے اور اس طرح پورے مینارے کے گرد چکر لگاتا ہوا اذان ختم کرتا ہے۔ (سفرنامہ بلاد اسلامیہ ج۱ ص۳۰)

یہاں شہر میں مسجدوں کی تعداد بہت ہے، نئی پرانی مسجدیں پانچ سو سے زیادہ ہوں گی، ہر مسجد میں امام و موذن حکومت کی طرف سے مقرر ہیں اور ان کا مشاہرہ وہی ادا کرتی ہے، فرش اور روشنی کا انتظام بھی حکومت ہی کی طرف سے ہوتا ہے مسجدوں میں ترکی قالین کا عمدہ فرش ہوتا ہے اور روشنی کے واسطے مسجدوں میں عمدہ جھاڑ فانوس بھی ہوتے ہیں، سارے اخراجات محکمہ اوقاف ادا کرتا ہے، پبلک پر اس کا قطعاً کوئی بار نہیں ہوتا ہے۔ (ایضاً ج۱ ص۳۱)

جامع ابن طولون مصر

خلافت عباسیہ کے دور کی سب سے مشہور مسجد جامع ابن طولون ہے جو احمد بن طولون فرمانروائے مصر کے حکم سے ۲۶۳ھ مطابق ۸۷۶ء میں تعمیر ہوئی تھی، گو یہ مسجد سادہ وضع کی ہے، لیکن جامع عمرو کے مقابلہ میں اپنے حسن و زیبائش میں زیادہ شاندار ہے، نقشہ تقریباً وہی ہے، جو جامع عمرو کا ہے، دونوں جانب دو دالان ہیں، جو محرابوں پر قائم ہیں، یہ محرابیں نوکدار ہیں، دونوں دالان کے درمیان میں ایک مربع صحن ہے، دالانوں کی محرابیں پایہ دار ستونوں پر قائم ہیں، ان پایوں کے چاروں کونوں پر ایک ایک ستون ہے، چھت کے نیچے کوفی خط میں کتبے ہیں جو لکڑیوں میں کندہ ہیں، مسجد کی باہری دیواریں کنگرہ والی ہیں۔

یہ مسجد پکی اینٹوں کی ہے، جس پر گچ کاری ہے، نقش و نگار گچ کے ہی بنے ہوئے ہیں، میناروں میں سے اس وقت صرف ایک مینار باقی رہ گیا ہے باقی گر چکے ہیں، اس کا یہ مینار سہ منزلہ ہے اور اس میں کوئی باہری آرائش نہیں ہے، مگر ہر منزل کی شکل ایک دوسرے سے علیحدہ ہے، نیچے والی منزل مربع ہے، دوسری منزل مدوّر ہے، اور اوپر کی منزل ہشت پہل ہے۔

اس مسجد کا طول پانچ سو تیس فٹ ہے اور عرض بھی اتنی ہی ہے

اس مسجد کی تعمیر پر پندرہ لاکھ روپے اس زمانہ میں خرچ ہوئے۔

(سفرنامہ بلاد اسلامیہ ص۲۹/۱)

صحن مسجد کے وسط میں ایک فوارہ ہے، اس وقت مسجد ابن طولون بالکل ویرانہ صورت میں ہے، حکومت کی بے توجہی کا شکار ہے، یہ پرانی یادگار برباد ہو رہی ہے، اس کی دیواریں گر رہی ہیں، کوئی پرسان حال نہیں، تمدن عرب کے مصنف مسٹر لیبان نے لکھا ہے کہ مجھے دروازہ توڑ کر اندر جانا پڑا، گویا بالکل بند کر دی گئی ہے، اس کی تفصیل اس میں دیکھی جا سکتی ہے

(تمدن عرب ص۲۱۹، ۲۲۰)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے بھی لکھا ہے کہ یہ مسجد ابن طولون قاہرہ کی مسجدوں میں بہت قدیم ہے، یہ مسجد، مسجد عمرو کے بعد کی بنی ہوئی ہے، اور تین مشہور پرانی مسجدوں میں سے ایک ہے، یہ سب حرم مکی کے طرز پر بنی ہوئی ہیں، مگر اس وقت بالکل معطل پڑی ہے، نہ پنجوقتہ جماعت واذان ہوتی ہے اور نہ نماز جمعہ ادا ہوتی ہے۔ (بغیۃ الاریب ص۸۲)

چھٹی صدی ہجری کے مشہور سیاح ابن جبیر اندلسی (م ۶۱۴ھ) نے اس مسجد کے سلسلہ میں اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے۔

"مصر اور قاہرہ کے درمیان ایک عالیشان مسجد جامع ابن طولون ہے، اس کی عمارت نہایت دلفریب اور مستحکم ہے، سلطان نے غربائے مغرب کے رہنے کے لئے اصل مسجد کو متعین کیا ہے، چنانچہ بہت سارے درویش اس مسجد میں رہتے ہیں، جو حلقہ اور مراقبہ کرتے ہیں، ان درویشوں کے مصارف کے واسطے ماہانہ وظیفے مقرر ہیں... دن رات

فارغ البالی کے ساتھ عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ہیں، ان کی معاونت کا انتظام سلطان کی طرف سے مکمل ہے۔" (سفرنامہ ص۳۹)

امتداد زمانہ سے اب یہ مسجد ویران پڑی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، اور زمانہ کا انقلاب ہے۔

مسجد قلاوون مصر

جب صنعت عربی کے عروج کا دور تھا تو اس وقت میں یہ مسجد ۶۸۳ھ مطابق ۱۳۸۳ء میں تعمیر ہوئی، اس کی دل آویزی اور خوبصورتی اپنی آپ مثال تھی، مگر جدید تعمیر اور مرمت کے وقت اس کی دیواروں اور چھتوں کے پرانے رنگ و روغن بالکل خراب کر دیئے گئے، ورنہ اس سے پہلے اس کی خوبصورتی دیکھ کر لوگوں کا دل باغ باغ ہوتا تھا۔

مجموعی اعتبار سے مسجد شاندار ہے، اس کی محرابیں دیدہ زیب ہیں اور ستونوں پر قائم ہیں، اس مسجد میں آگے والے پہلے دالان پر گنبد ہے اور یہ حسن و جمال کا مرقع ہے، گوشوں پر مرصع ستون ہیں، اس کی کھڑکیاں بھی خوشنما ہیں، کبھی اس مسجد سے متعلق ایک عام شفا خانہ بھی تھا۔

(تمدن عرب ص۲۲۱)

جامع ازہر مصر

قاہرہ میں قدیم ترین تین مسجدوں میں سے یہ تیسری جامع مسجد ازہر نامی ہے، قاہرہ کو جب فسطاط کے بجائے حکومت کا مرکزی مقام قرار دیا گیا، تو اس کے بعد سب سے پہلی مسجد، جامع ازہر تعمیر ہوئی، اس کی بنیاد المعز لدین اللہ کے عہد میں ۳۵۹ھ مطابق مارچ ۹۷۰ء میں ڈالی گئی، اس مسجد میں المعز لدین اللہ نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا، اور اس کے لئے ایک بڑا کتب خانہ وقف کیا، اور اسی کے ساتھ طلبہ کے وظائف بھی مقرر کئے۔ (سفر نامہ بلاد اسلامیہ ص۲۹)

یہ مدرسہ جس کو جامع ازہر کہا جاتا ہے، اس عظیم الشان مسجد میں ۳۷۹ھ سے قائم ہے، اور اس مدرسہ کی وجہ سے اس مسجد کو دنیا میں بڑی شہرت وعزت حاصل ہے، اس میں تمام اطراف عالم سے طلبہ آتے ہیں، اور اس کو علوم مشرقیہ کے مرکز کی حیثیت حاصل ہے، اس کے اساتذہ اوقاف سے تنخواہ پاتے ہیں، اور یہاں مختلف علوم وفنون کی اعلیٰ تعلیم ہوتی ہے، اس مدرسہ کے طلبہ کی تعداد کم وبیش بارہ ہزار بتائی جاتی ہے، غیر مستطیع طلبہ کی تمام ضرورتوں کی کفالت مدرسہ ہی کرتا ہے۔

اس مسجد ازہر کا نقشہ وہی ہے جو یہاں دوسری مسجدوں کا ہے

فرق یہ ہے اس کے ارد گرد طلبہ کی رہائش کے لئے کمرے بنے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے اس کی نوعیت الگ سی ہوگئی ہے، اس مسجد کی آرائش کا بڑا حصہ بعد کا ہے، اس کا صحن بہت وسیع ہے، اس مسجد کی محرابیں تین سو اسی ستونوں پر قائم ہیں جو سنگ مرمر، سنگ سماق اور سنگ صوان کے بنے ہوئے ہیں، اس کی محرابیں مسجد عمرو سے زیادہ نوکدار ہیں اس مسجد کے مینار بہت بعد کے بنے ہوئے ہیں، لیکن بہت دیدہ زیب ہیں۔ (تمدن عرب ص۲۲۱،۲۲)

اس مسجد کی تعمیر اول دولت فاطمیہ کے سپہ سالار جوہر نامی نے ۳۵۹ھ مطابق ۹۶۹ء میں شروع کرائی تھی، ۳۶۱ھ میں تعمیر مکمل ہوئی، اور المعز لدین اللہ نے اس کو بیت العلوم بنا دیا۔

(سفرنامہ بلاد اسلامیہ ص۹۶)

یہ مدرسہ جامع ازہر کے نام سے پوری دنیا میں جانا جاتا ہے، اس نے اب پہلے سے بہت زیادہ ترقی حاصل کرلی ہے، اور علوم وفنون کا گہوارہ ہے، ہزاروں اہل علم اس درس گاہ سے پیدا ہوئے، اور ملک وملت کی خدمت انجام دی اور آج بھی دے رہے ہیں۔

مسجد حسن مصر

یہ مسجد سلطان حسن کے حکم سے ۷۵۷ھ مطابق ۱۳۵۶ء میں تعمیر ہوئی مصر کی مسجدوں میں یہ مسجد سب سے زیادہ خوبصورت اور عربی طرز عمارت کے زمانہ عروج کی تعمیر کردہ ہے، قاہرہ میں اس کی عمارت کو بڑی اہمیت حاصل ہے، یہاں کی عمدہ ترین عمارتوں میں اس کا شمار ہے، اس کی تعمیر میں مسلسل تین سال کام ہوتا رہا، روزانہ نو ہزار روپے کا خرچ تھا جو مزدوروں اور کام کرنے والے کو دیا جاتا تھا۔

(سفرنامہ بلاد اسلامیہ ص ۲۹ ج ۱)

اس مسجد کا طول ۱۵۳ گز ہے، اور عرض بیاسی گز ہے، دیواروں کا آثار ساڑھے تین گز ہے، اور اس کے گنبد کی بلندی ساٹھ گز ہے، اس کے مینار بہت بلند ہیں، اور کئی منزلہ ہیں، اس کی بلندی پچانوے گز مورخین نے لکھی ہے، یہ مسجد اینٹ اور ترشے ہوئے سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔

مسجد کی بناوٹ اپنی وسعت اور خوشنمائی میں شاندار شمار ہوتی ہے، اس کا نقشہ دوسری عام مسجدوں سے کچھ مختلف ہے، نہ بالکل مربع ہے اور نہ مستطیل، بیچ کے دالان کے دونوں طرف دوسرے متعدد بڑے بڑے دالان ہیں، ان کے اور بیچ کے دالان کے درمیان

نوکدار محرابیں ہیں، ان میں جو دالان سب سے وسیع اور کشادہ ہے اس میں مصلّٰی ہے جن کی محرابیں ۳۳ گز اونچی ہیں، اس مصلّٰی کے پاس منبر ہے جیسا کہ عام مسجدوں میں ہوا کرتا ہے، منبر خوبصورت اور عمدہ ہے جس سے خطیب خطبہ دیتا ہے، دیواروں پر عمدہ آرائشیں ہیں، مسجد کے صحن میں ایک بہت شاندار فوارہ ہے۔

بانی مسجد کی قبر | بانی مسجد کی قبر اسی مسجد کے ایک گوشہ میں ہے، اس قبر پر ایک قبہ سا بنا ہوا ہے، اس کا گنبد کافی جاندار ہے، اس کا قطر ۳۳ گز ہے، اس کے نیچے پھولوں کا ایک عمدہ حاشیہ بنا ہوا ہے، اس قبہ یا دالان کے چاروں طرف لکڑی میں کندہ خوبصورت کتبے ہیں اس کی چوڑائی ایک گز ہے، اس کی محرابیں بھی نوکدار ہیں۔

مسجد حسن کا سامنے والا دروازہ نیم دائرہ کی صورت میں بنا ہوا ہے، اس کے اوپر بھی گنبد ہے جو پتھروں کے پایوں پر قائم ہے۔ اس کی دیواروں پر عمدہ نقش و نگار ہے، اس دروازہ کی بلندی اکیس گز ہے، صاحب تمدن عرب لکھتے ہیں کہ شہر کی تمام مسجدیں بہت عمدہ اور خوبصورت ہیں اور مصر کی اسلامی تعمیرات کا اعلیٰ نمونہ ہیں،

(تمدن عرب ص۲۲۲، ۲۲۳)

مرمت کی ضرورت | دوسری مسجدوں کی طرح یہ بھی مرمت طلب ہے نقش و نگار اور بہت سی دوسری چیزیں برباد ہو رہی ہیں، جامع ازہر کے سوا اکثر پرانی عمارتیں خصوصاً جامع عمرو، اور جامع ابن طولون جو سلاطین مصر کی عظمت اور عربوں کی صنعت کی بہترین یادگار ہیں، بالکل بے مرمت ہیں، جامع عمرو کے گرد جو عمارتیں تھیں ان میں سے

صرف دو طرف کی عمارتیں اب رہ گئی ہیں، ستونوں کی قطار بھی شکستہ ہو رہی ہیں، چونکہ ابھی تک ہر سال رمضان کے آخری جمعہ کی نماز اس مسجد میں ادا ہوتی ہے، اس لئے اس کی حالت نسبتاً کچھ اچھی ہے، مگر جامع ابن طولون بالکل ویران ہے۔

(سفرنامہ بلاد اسلامیہ ص۳۱ ج۱)

ادھر مسجدوں کی مرمت ہوئی ہے یا نہیں، کچھ اطلاع نہیں۔ نیا سفرنامہ کوئی سامنے نہیں ہے، مصر کی حکومت کا دینی فرض ہے، مسجدوں کی مرمت اور حفاظت کا انتظام اپنے ذمہ لے۔

مسجد محمد علی پاشا مصر

ترکوں کے تسلط کے بعد جو مسجدیں وجود میں آئیں، ان میں ایک یہ مسجد محمد علی پاشا بھی ہے جو بہت وسیع اور بہت بڑی ہے، یہ مسجد قلعہ کے اندر پہاڑ پر واقع ہے، یہ مسجد تیرھویں صدی عیسوی کے ابتدا ر زمانہ کی تعمیر ہے، اس مسجد کی تعمیر کو ستر سال سے زیادہ گذرے ہوں گے، یہ مسجد شاندار ہے، اس کے دو مینار بہت بلند ہیں، جو شہر کے باہر دور ہی سے نظر آنے لگتے ہیں، مسجد کے ایک گوشہ میں بانی مسجد محمد علی پاشا کی قبر بھی ہے، یہ مسجد عربی تعمیر طرز سے الگ ہے، ترکی طرز تعمیر اور عربی طرز تعمیر کا فرق اس مسجد سے ظاہر ہوتا ہے۔ (سفرنامہ بلاد اسلامیہ ص۳۱ ج۱، تمدن عرب ص۱۶۵)

مسجد المویّد مصر

المویدخاندان چراکسہ سے ہے، یہ ملک الظاہر برقوق کا غلام تھا، یہ ۸۱۵ھ میں بادشاہ ہوا، اور ۸۲۴ھ تک سلطنت کرتا رہا۔

اس مسجد کا سنہ تعمیر ۸۱۸ھ مطابق ۱۴۱۵ء ہے، دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں اس کا درجہ کم ہے، آرائش کے اعتبار سے قاہرہ کی مشہور ترین مسجدوں میں اس کا بھی شمار ہوتا ہے، اس کا اندرونی حصہ بہت آراستہ ہے، اس کی چھت بھی بہت ہی عمدہ اور دیدہ زیب ہے، پھول پتیاں اور بیل بوٹے اچھے خاصے بنے ہوئے ہیں، کہیں کہیں طلائی کام بھی ہے جو آجکل قاہرہ میں کمیاب بلکہ نایاب ہے، دروازہ کے آگے برآمدہ ہے جو ستونوں پر قائم ہے، صحن مختلف رنگ کے پتھروں سے بہت عمدہ بنایا گیا ہے۔ (تمدن عرب ص ۲۲۴)

مسجد سعدی بومدین تلمسان

تلمسان کبھی مغرب متوسط کا پایہ تخت تھا، یہ مسجد ۷۳۹ھ / ۱۳۸۸ء میں تعمیر ہوئی اس مسجد کے اوقاف میں مدرسہ بھی قائم ہے، جو ۷۴۷ھ میں قائم کیا گیا تھا اس مسجد کی عمارت افریقہ کی کمیاب عمارتوں میں ہے، اس مدرسہ میں جو مسجد سے متعلق ہے علوم دینیہ و تاریخ کی تعلیم ہوتی تھی جبتک عربوں کا دور عروج رہا۔

(عربوں کا فن تعمیر ص)

جامع مسجد ایا صوفیہ استنبول

استنبول ترکی کا مشہور شہر ہے، اس شہر میں مسجدوں کی تعداد کم و بیش پانچ سو ہے، عموماً یہ ساری مسجدیں خوشنما اور عالیشان ہیں، اور سلاطین استنبول کی یاد تازہ کرتی ہیں، ان مسجدوں میں مشہور تر مسجد جامع ایا صوفیہ ہے۔ (سفرنامہ بلاد اسلامیہ ص۱۴۲)

استنبول میں پہلی مسجد جو تعمیر ہوئی، وہ جامع فاتح نامی ہے۔ جس کو سلطان ابوالفتح محمد خان نے بنوایا تھا۔ (ایضاً ص۱۵۳)

محمد فاتح خاں نے جب شہر استنبول کو فتح کیا تو ۸۵۷ھ ۱۴۵۳ء میں انہوں نے یہ مسجد بنوائی تھی، اس کی تعمیر میں سو انجینئر شامل تھے جن کی نگرانی میں دس ہزار مزدور اٹھارہ برس مصروف رہے جب جاکر تیار ہوئی، اس وقت اس پر ڈیڑھ کروڑ روپے صرف ہوئے تھے، اس کی لمبائی ۲۷۰ قدم ہے اور عرض ۲۴۵ قدم۔ اس کی وسعت مسجد میں آنے والوں کو متحیر بنا ڈالتی ہے، پھر جب اس کی نظر اس کے گنبد، اس کے پھیلاؤ اور اس کی بلندی پر جاتی ہے، تو وہ اور بھی حیران رہ جاتا ہے اس قدر وسیع و عریض مسجد پر صرف ایک گنبد ہے، یہ گنبد ایک سو سات ستونوں پر قائم ہے، جس میں ہزاروں آدمی سما جاتے ہیں، اس گنبد کا قطر ۱۱۵ فٹ ہے، اور مینار کی بلندی ۱۸۰ فٹ، گنبد کی گولائی

عمدہ ہے، اس کی گہرائی ۶۴ فٹ ہے، اس جامع میں ۷۰ استون ہیں، جن میں بعض سنگ رخام کے، بعض زبرجد کے اور بعض سنگ سماق کے ہیں، ان سب کا قطر تین تین چار چار ہاتھوں سے کم نہیں دیواریں بیل بوٹوں سے ڈھکی ہیں، مسجد کا دروازہ تانبے کے پتروں سے ڈھکا ہوا ہے

(سفرنامہ بلاد اسلامیہ ص۱۵۳)

قسطنطیہ کی تمام مسجدیں تقریباً اسی نقشہ کی بنی ہوئی ہیں، یہ نقشہ ہندوستان کی مسجدوں سے بالکل مختلف ہے، یہاں صحن، دالان اور محرابیں نہیں ہوتی ہیں، ہر مسجد میں کئی بتیوں (چراغوں) کے آہنی جھاڑ فانوس لگے ہوتے ہیں۔

مستورات کی نمازوں کی جگہ بائیں جانب ہوتی ہے، یہاں مسجدوں میں حوض کا بھی رواج نہیں ہے، بلکہ ایک کونے میں سقاوے ہوتے ہیں، جن میں وضو کے لئے ٹونٹیاں لگی ہوتی ہیں، ہر مسجد پر کافی جائیدادیں وقف ہیں، جن کی آمدنی سے مساجد کے مصارف پورے ہوتے ہیں، بعض مسجدوں کی آمدنی سے محتاجوں کو کھانا بھی دیا جاتا ہے، جس کی ان اوقاف میں صراحت ہوتی ہے۔

جامع مسجد ایا صوفیہ کے باہر ایک بہت بڑا اور کشادہ میدان ہے، جس کی لمبائی نو سو فٹ ہے اور چوڑائی ساڑھے چار سو فٹ،

(سفرنامہ بلاد اسلامیہ ص۲۵۶ ۲۷)

اس مسجد کی تاریخ عجیب وغریب ہے، پہلے یہ گرجا گھر تھی۔ پھر مسجد کے کام میں آتی رہی، ۱۴۵۲ء تک عیسائیوں کے قبضہ میں گرجا گھر رہا، ۱۴۵۳ء سے مصطفےٰ کمال کے دور تک مسلمانوں کی

مسجد رہی ۔ لیکن جب جمہوریہ ترکیہ کی بنیاد پڑی تو اتاترک مصطفے کمال نے جہاں اسلام اور اسلامی تعلیمات وعبادات میں بہت ساری ناجائز مزید تبدیلیاں کیں، اور اسلام کو مٹانے اور مسخ کرنے کی سعی کی، وہیں اس نے اس مسجد کو جو تاریخی حیثیت رکھتی تھی، عجائب گھر میں تبدیل کر دیا۔ (سفرنامہ مقامات مقدسہ صـ۷۵)

مسجد قوۃ الاسلام دہلی

قطب الدین ایبک نے دہلی کو فتح کرکے ایک مسجد بنائی تھی، ایک سابق عمارت میں تھوڑی تبدیلی کرکے، جس میں کافی روپے الگ سے بھی لگائے تھے، قطب الدین شہاب الدین غوری کا مشہور سپہ سالار تھا۔

لیکن غوری نے حکم دیا کہ تم ایک مسجد اس سابق عمارت سے ہٹ کر بناؤ، چنانچہ غزنی سے واپس آکر اس نے اس سابق عمارت کے بیچ خالی جگہ میں ایک بڑی مسجد کی بنیاد رکھی، یہ ۵۹۲ھ مطابق ۱۱۹۵ء کا واقعہ ہے، اور سنگ سرخ سے تعمیر شروع کی، یہ مسجد پانچ در کی تھی ۵۹۴ھ میں یہ مسجد تیار ہوگئی تھی، درمیانی در کی بلندی اڑتالیس فٹ تھی اور بقیہ چار دروں کی بلندی جو دائیں بائیں تھے اٹھائیس فٹ، مسجد کے ان دروں کو خوب سجایا گیا تھا، بیل بوٹے بنائے گئے تھے، ان پر قرآن پاک کی آیتیں اور حدیثیں بھی لکھی گئی تھیں، پھر سنہرے کلس چڑھائے گئے تھے۔

سلطان شمس الدین نے اپنے زمانہ ۶۲۷ھ مطابق ۱۲۲۹ء میں اس مسجد میں توسیع کی اور جنوب وشمال میں تین تین دروں کا اضافہ کیا، یہ حصہ بھی سابق مسجد کے شایان شان تھا۔

پھر علاءالدین خلجی نے اس کا صدر دروازہ سنگ سرخ کا اپنے زمانہ ۷۱۰ھ مطابق ۱۳۱۰ء میں بنوایا، پھر اس کے ہر ایک طرف ایک ایک دروازہ بنوایا، جو سب شاہوں کے ذوق کے مطابق عظیم الشان تھے مسجد کا کل رقبہ مسقف اور غیر مسقف ملا کر بہت کافی ہو گیا تھا اس کی لمبائی ۷۳۶ فٹ اور چوڑائی ۴۴۹ فٹ ہو گئی تھی۔

(دلی کی دو سو برس کی تاریخ ص۴۰)

اسی مسجد کے تذکرے میں ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اس مسجد کے درمیان ایک لاٹ (مینار) ہے، پتہ نہیں کن دھاتوں سے بنایا گیا ہے، اسی کو قطب کا لاٹ کہتے ہیں، اس کی کئی منزلیں ہیں، ابوالفدار نے لکھا ہے کہ اس کی کل تین سو ساٹھ سیڑھیاں ہیں، اس زمانہ میں یہی مسجد جامع مسجد کے نام سے مشہور تھی، چنانچہ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے۔

"شہر کی جامع مسجد بہت وسیع ہے، اس کی دیواریں اور چھتیں تراشے ہوئے سفید پتھر کی بنی ہوئی ہیں، جس کو سیسہ لگا کر جوڑا گیا ہے، لکڑی کا نام نہیں، اس مسجد میں تیرہ گنبد تھے جو سارے کے سارے پتھر کے تھے، چار صحن تھے" (دلی کی دو سو برس کی تاریخ ص۴۱)

اصل میں قطب مینار کے جواب میں علاءالدین نے اس کی دونی اونچائی کا ماذنہ (اذان) کے لئے بنانا چاہا تھا، اس کا تہائی حصہ تیار ہو چکا تھا، مکمل نہ کر سکا، مگر اس کی بھی اونچائی قطب مینار کے برابر تھی، بابر نے اپنی تزک بابری میں اس کی بہت تعریف لکھی ہے،

مگر گردش دوراں سے یہ سب برباد ہوتے رہے، اب وہاں نہ آبادی ہے اور نہ سلطان ہے اب دتی اس پرانی دہلی سے بہت دور آگئی ہے، ان کھنڈرات کو دیکھنے لوگ اب بھی جاتے ہیں۔

البتہ علاء الدین کا بنایا ہوا دروازہ پوری شان وشکوہ کے ساتھ موجود ہے، اس کے صدر دروازہ کے متعلق صاحب تمدن عرب نے لکھا ہے۔

"لیکن سب سے زیادہ مشہور وہ یادگاری دروازہ ہے، جسے علاء الدین نے ۱۳۱۰ء میں تعمیر کیا، یہ نہیں کہ وہ فقط حسین عمارت ہے، بلکہ مسلمانوں کی فن تعمیر کا ایک عمدہ نمونہ ہے، علاء الدین کا دروازہ جس قدر عظیم الشان ہے اتنا ہی مستحکم بھی بنا ہوا ہے، اندلس کی اینٹوں کی جگہ پر یہاں پتھر سے کام لیا گیا ہے۔"

(عربوں کا فن تعمیر ص۲۱)

پروفیسر مجیب جامعہ ملیہ لکھتے ہیں۔

"اس کی حیثیت ایک چمکتے ہوئے ہیرے کی سی ہے جو فولاد کی انگوٹھی میں جڑ دیا گیا ہو، لیکن اس میں اتنی کشش ہے کہ نظر اسی پر جم جاتی ہے، اور گرد وپیش کا خیال نہیں رہتا۔" (تمدنی کارنامے ص۹)

جامع مسجد دہلی

تاریخ ہند میں شاہجہاں بادشاہ کا نام بہت نمایاں ہے، اور عمدہ عمارتوں کی تعمیر کے سلسلہ میں اس کا نام سرفہرست آتا ہے۔ اس کو جب مسجد بنانے کا خیال جاگزیں ہوا، تو اس نے اس کے لئے لال قلعہ کے سامنے والی بلند زمین کا انتخاب کیا، یہ جگہ شاہجہاں کے لال قلعہ کے سامنے مغرب میں ہزار گز کی دوری پر واقع تھی۔

چنانچہ اس جگہ میں مسجد کی تعمیر کا فیصلہ کر لیا گیا، اور دسویں شوال ۱۰۶۰ھ مطابق بست وچہارم جلوس شاہی میں اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اس سلسلہ میں مصنف یادگار دہلی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ۔

"جب بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو بادشاہ نے فرمایا کہ اس کی بنیاد وہ شخص رکھے جس کی نماز تہجد اور تکبیر اولیٰ کبھی فوت نہیں ہوئی ہو، یہ سن کر سبھوں نے گردنیں جھکالیں اور کچھ جواب نہ دیا، جب بہت دیر ہو گئی تو بادشاہ نے کہا، کہ الحمد للہ مجھ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں، مگر افسوس ہے کہ آج راز افشاں ہوتا ہے، پھر تشریف لاکر بنیاد میں پتھر اپنے ہاتھ رکھا" (یادگار دہلی ص۶۷)

تمدن عرب کا مصنف رقمطراز ہے۔

"ان میں پہلی عمارت جامع مسجد دہلی ہے، جو ۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء میں تعمیر ہوئی، یہ شاندار عمارت قلعہ کے میدان کے سرے پر واقع ہے، اور اس میں جانے کے لئے بڑی بڑی سیڑھیاں ہیں، جو دروازہ تک منتہی ہوتی ہیں مسجد کی تعمیر سنگ سرخ سے ہوئی ہے" (تمدن عرب ص۱۹۱)

تعمیر مسجد کے مہتمم سعد اللہ خاں دیوان اعلیٰ اور فاضل خاں خانساماں بنائے گئے، اس مسجد میں کام کرنے والوں کی تعداد روزانہ پانچ ہزار ہوا کرتی تھی اس تعداد میں انجینئر اور دوسرے عہدے دار شامل نہیں ہیں، یہ تعداد صرف راج مستریوں، مزدوروں، بیلداروں اور سنگ تراشوں کی ہے، صرف مزدوری پر اس زمانہ کے دس لاکھ روپے خرچ ہوئے، پتھر اور مصالحے کی قیمت اس میں شامل نہیں ہے، یہ مسجد مسلسل چھ برس کام ہونے پر مکمل ہوئی۔

اس مسجد میں تین گنبد ہیں جو خوشنمائی اور خوبصورتی میں اپنی آپ مثال ہیں، اس مسجد کا طول نوے گز ہے اور عرض تیس گز، مسجد کے اندرونی حصہ میں سات محرابیں ہیں، اور باہر صحن کی طرف گیارہ در ہیں، درمیان والا در دوسرے دروں سے زیادہ بلند اور کشادہ ہے، اس کے دائیں بائیں پانچ، پانچ در ہیں، جو قد وقامت میں کچھ چھوٹے ہیں، بڑے در میں جو وسط میں ہے، طغرا میں "یا ھادی" لکھا ہوا ہے، اور بقیہ دوسرے دروں میں شاہجہاں کے نام کے کتبے لگے ہوئے ہیں، جن میں تعمیر کی تاریخ، اور زر مصارف وغیرہ

درج ہیں، یہ کتبے سنگ موسی کی پچکاری پر کندہ ہیں، مسجد کا اندرونی حصہ صحن مسجد سے تقریباً تین ہاتھ بلند ہے، کئی زینے طے کر کے اندر جانا ہوتا ہے، دونوں کناروں پر دو مینار ہیں جو بہت جاذب نظر اور دیدہ زیب ہیں، ان میناروں میں اوپر جانے کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں ان سیڑھیوں کی کل تعداد ایک سو بیس ہے، میناروں کے اوپر سنگ مرمر کی بارہ دری والی برجیاں بنائی گئی ہیں، جو حد درجہ دلکش اور دلربا ہیں، ان میناروں پر چڑھ کر پورا شہر دیکھا جا سکتا ہے، اوپر سے دیکھنے پر شہر عجیب خوشنما معلوم ہوتا ہے، اوپر سے شہر کی شکل کٹورا سی معلوم ہوتی ہے، ان میناروں سے پورا شہر، درختوں کے جھرمٹ اور مکانوں کے سلسلے نظر آتے ہیں، یہ بڑا ہی عمدہ منظر ہوتا ہے، شمالی مینار آسمانی بجلی سے گر گیا تھا، معین الدین اکبر شاہ کے عہد ۱۲۱۳ھ / ۱۸۱۷ء میں سرکار انگریزی نے بنوا دیا تھا۔

اس مسجد کا صحن بھی بڑا دیدہ زیب اور حسین ہے۔ اس کی وسعت ایک سو چھتیس گز ہے جو طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہے، پورا صحن سنگ سرخ کا ہے، اندرونی مسجد کا فرش تمام کا تمام سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے جس میں سنگ موسی کی پچکاری ہے، اور اس سے مصلّٰی بنایا گیا ہے، جو دیکھنے میں بہت ہی عمدہ اور خوبصورت ہے اور اس میں ایک دلکشی پائی جاتی ہے، اس کا طول پندرہ گز اور عرض بارہ گز ہے، کل مصلوں کی تعداد ۹۸۹ ہے، مسجد میں منبر بھی ہے جو سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے، یہ بھی اپنی خوبصورتی میں بے نظیر ہے۔

صحن مسجد میں حوض ہے، اور حوض کے وسط میں فوارہ ہے،

اس فوارہ کو جمعہ، عیدین اور الوداع کے موقع پر کھول دیتے ہیں،
حوض کے غربی حصے میں ایک کٹہرا ہے جو پتھر کا بنا ہوا ہے، یہ کٹہرا
۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء میں بنوایا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ محمد تحسین خاں نے خواب
میں اس جگہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول اجلال فرماتے ہوئے دیکھا
انھوں نے جب یہ واقعہ لوگوں سے بیان کیا تو اس جگہ کو جہاں آپ
تشریف فرماتے تھے کٹہرا اسے گھیر دیا گیا، تاکہ وہ جگہ محفوظ ہو جائے۔

ہر سہ طرف دالان صحن مسجد کے تین طرف عمدہ خوشنما دالان بنے ہوئے
ہیں، اور مسجد کے دو جانب جنوب اور شمال ہیں، اس دالان اور
مسجد کے درمیان صحن بھی ہے، اور مسجد کے چاروں کناروں پر
بارہ دری کے چار برج بنے ہوئے ہیں، جس سے مسجد کی رونق دوبالا
ہوتی ہے، شمالی دالان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ
تبرکات ہیں۔

اس مسجد میں نمازیوں کی بڑی کثرت ہوتی ہے، ہجوم در ہجوم
نمازی یہاں آتے ہیں، اس زمانہ میں آواز پہنچانے کی یہ صورت
تجویز ہوئی کہ شاہزادہ مرزا سلیم بن معین الدین محمد اکبر شاہ نے تکبیر
کہنے والوں کے لئے بلند جگہ بنوا دی تاکہ اس پر چڑھ کر بلند آواز سے
تکبیر تکبیر کہے، تاکہ آواز ہر طرف پہنچ سکے، یہ سارے سنگ باسی سے
بنوائے گئے ہیں۔ ان کی تعمیر کا سنہ ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹ء ہے۔

جنوبی اور مشرقی دالان کے سامنے صحن مسجد میں ایک دائرہ
ہندی بنا ہوا ہے، جس سے نماز کے اوقات ظاہر ہوتے ہیں۔

اس مسجد کے تین دروازے ہیں، تینوں بہت شاندار ہیں،

تینوں پر کواڑ چڑھے ہوئے ہیں، یہ دونوں دروازے یا گیٹ جنوب میں ہیں، اور اس کے مقابل شمال میں ہیں، اور تیسرا صدر گیٹ پورب میں ہے۔

جنوبی دروازہ اس مسجد کا جنوبی دروازہ چتلی قبر بازار کی طرف ہے، ادھر ہی اردو بازار ہے، یہ گیٹ بہت خوشنما اور خوبصورت ہے، اس گیٹ میں رہنے سہنے کے لئے حجرے بنے ہوئے ہیں، اس دروازہ کی نیچے سے اوپر تک ۳۳ پتھر کی سیڑھیاں ہیں، یہ سیڑھیاں کشادہ ہیں، ان سیڑھیوں پر پہلے فالودہ، شربت، کباب وغیرہ کھانے کی چیزوں کی دکانیں لگتی تھیں، یہاں مرغ اور پرندے بھی فروخت ہوتے تھے، آزاد ہندوستان میں جب نیچے کی دکانیں ہٹوائی گئیں، تو سیڑھیوں پر کی دکانیں بھی ہٹوادی گئیں، نیچے جس کو سبزہ زار بنایا گیا ہے، جس سے صفائی نکھر گئی ہے، اس طرف کبھی مدرسہ دارالبقا تھا، جو سرسید احمد کے دور تک چلتا رہا، مگر اب باقی نہیں ہے، سرسید کے زمانہ تک یہ مدرسہ مولانا صدرالدین آزردہ کی توجہ اور تعاون سے چل رہا تھا، طلبہ بھی رہا کرتے تھے، سارا خرچ مولانا ہی برداشت کرتے تھے۔

شمالی دروازہ یہ شمالی دروازہ (گیٹ) پاٹ والوں کے بازار کی طرف واقع ہے، یہ گیٹ بھی بہت خوبصورت اور خوش منظر ہے، اس میں بھی حجرے بنے ہوئے ہیں، اس طرف نیچے سے اوپر تک انتالیس سیڑھیاں ہیں، کبابی ادھر بھی بیٹھا کرتے تھے، پہلے زمانہ میں قصہ گویوں اور افسانہ خوانوں کی مجلسیں جمتی تھیں، اب یہ ساری چیزیں ختم ہو چکی ہیں۔

مشرقی دروازہ یہ ٹھیک لال قلعہ کے سامنے ہے، یہ سب سے بڑا دروازہ ہے اور عالیشان ہے، یہ بھی ایک بازار کی طرف واقع ہے، یہاں بھی

حجرے بنے ہوئے ہیں، اس دروازہ میں نیچے سے اوپر آنے کے لئے ۳۵ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں، سب پتھر کی ہیں، خوب چوڑی اور کشادہ ہیں، کبھی اس گیٹ پر بھی بڑا ہجوم رہا کرتا تھا، مختلف پرندے پنجڑوں میں نوجوان لئے پھرتے تھے۔

مسجد کی آمدنی مسجد پر وقف کی کل آمدنی اس وقت دو ڈھائی ہزار تھی اور اتنا ہی خرچ تھا، اس کے علاوہ متفرق دوسری آمدنی بھی تھی، جو رؤسا کی طرف سے آتی تھی۔

۱۸۸۶ء میں نواب رامپور کلب علی خاں نے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے عطا کئے تھے جس سے تمام مسجد کی مرمت اور پالش ہوئی۔ یہ کام ۱۸۸۷ء سے شروع ہو کر ۱۹۰۱ء میں ختم ہوا، سید زماں شاہ اس کے نگراں تھے۔

مینار مسجد مینار مسجد اس طرح بنائے گئے ہیں کہ اگر کسی وجہ سے گرے تو مسجد کی عمارت کو کوئی نقصان نہ پہنچے، معین الدین کے عہد میں شمالی مینار پر بجلی گری تو خود سرکار دولت مدار نے مرمت کرائی، دوسری مرتبہ جنوبی مینار پر بجلی گری تو اس کی مرمت چودہ ہزار روپے سے نواب صادق علی خاں بہادر مرحوم والی بھاولپور نے کرائی۔

اس مسجد کی کرسی اس قدر بلندی پر ہے کہ آس پاس کے دو منزلہ مکانات کی چھت اور اس کا صحن ہم سطح ہیں۔

۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں کا دہلی اور ہندوستان پر تسلط ہو گیا، اور بہادر شاہ گرفتار کر کے برما پہنچا دیئے گئے، تو یہ جامع مسجد دہلی بحق سرکار انگریزی ضبط ہو گئی، اذان و نماز پر پابندی لگ گئی،

انگریزی حکومت نے اس پر پہرہ چوکی قائم کر دیا کہ کوئی مسلمان یہاں نماز پڑھنے نہ آسکے، کئی سال ایسا ہی رہا، بڑی مشکل سے مسلمانوں کی بار بار درخواست کے بعد ۱۸۶۲ء میں مسلمانوں سے ایک اقرار نامہ لے کر وارگذار کی گئی اور مسلمانوں کے حوالہ کی گئی۔

۱۸۵۷ء میں جب دہلی میں بشپ کا عہدہ قائم کرنے کا سوال زیر غور تھا تو اس وقت یہ تجویز بھی در پیش تھی کہ اس شاہجہانی جامع مسجد کو گرجا میں تبدیل کر دیا جائے۔ (تاریخ الہ آباد ص ۲۱۳)

انگریزی عملداری میں انگریزی افسران اور سیاحین جوتے پہنے ہوئے مسجد میں چلے جایا کرتے تھے، ۱۸۹۹ء میں جب لارڈ کرزن وائسرائے ہند ہو کر آئے، اور مسلمانوں نے درخواست کی کہ یہ مسجد کی بے حرمتی ہے تب انھوں نے جوتوں پر موزہ چڑھانے کی رسم جاری کی، اور وہ بھی صرف مسقف حصے میں۔ (یادگار دہلی ص ۳۱)

دروں پر جو کتبے ہیں، ان سبھوں کا نقل کرنا مشکل ہے، ایک کتبہ جس پر بانی بادشاہ کا نام ہے، اس کو درج کرنا مناسب ہوگا جس سے شاہجہاں سے عقیدت و محبت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

"مظہر قدرت الٰہی، مورد کرامت لامتناہی، مظہر کلمۃ اللہ العلیا، مروج الملۃ الحنفیۃ البیضاء، ملجاء الملوک والسلاطین، خلیفۃ اللہ فی الارضین، الخاقان الاعدل، والقاآن الاجل الاکرم، ابو المظفر شہاب الدین محمد صاحب قران ثانی، شاہجہاں بادشاہ، غازی لازالت دولتہ منصورۃ، واعداء حضرتہ مقہورۃ، کہ دیدۂ بصیرت حق بینش

از شعشعۂ انوار ہدایت انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ
و بالیوم الآخر مستنیز است" (آثار الصنادید صـ باب سوم)
سرسید مرحوم نے اس مسجد کی خوبصورتی کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے
"اس کی لطافت و نزاکت، خوبی و خوشنمائی بیان سے
باہر ہے، آدمی کی طاقت نہیں کہ اس کا بیان کر سکے، ایسی
خوش قطع اور خوشنما مسجد روئے زمین پر نہیں، سر سے
پاؤں تک ایک رنگ کے سنگ سرخ کی ہے، ایسے مہندس
بے بدل نے یہ مسجد بنائی کہ کوئی در و دیوار، طاق و محراب
مرغولہ و کنگرہ تناسب سے خالی نہیں" (آثار الصنادید صـ)
مولانا عبد الحی رائے بریلی نے لکھا ہے۔
"جامع مسجد پہنچ کر اس کے حسن و خوبی کے لحاظ سے
حیرت ہو گئی، دیر تک ششدر اس کے نقش و نگار کو دیکھتا
رہا، مجھ میں واقعی اتنی قدرت نہیں کہ اسکی واقعی تعریف
کر سکوں ..... وہ خدا کی عظمت کا ایک نمونہ ہے۔ گویا
فرشتوں نے اپنے پاک ہاتھوں سے اس کی تعمیر کی ہے
یا شاہجہاں کی نیک نیتی کی مجسم تصویر ہے"

(دہلی اور اس کے اطراف صـ۲۷)
اللہ تعالیٰ تا قیامت اس مسجد کو اسی طرح آباد رکھے۔

مسجد فتحپوری دہلی

یہ مسجد نواب فتحپوری محل زوجہ شاہجہاں بادشاہ کی بنوائی ہوئی ہے یہ مسجد ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء میں بنی ہے، اس کا طول ۵۴ گز ہے۔ اور عرض بائیس گز ہے، یہ پوری مسجد سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے، درمیان میں ایک گنبد ہے اور اس کے سات در ہیں، درمیانی در بڑا ہے، اور اس کے دونوں طرف تین تین در نسبتاً چھوٹے ہیں، فرش مسجد سنگ مرمر کا ہے، دونوں کناروں میں ایک ایک بلند مینار ہے، جن کی بلندی ۳۵ گز ہے، مسجد کے آگے ایک چبوترہ ہے جو سنگ سرخ سے تیار کیا گیا ہے، یہ چبوترہ ۵۴ گز چوڑا ہے، اس سے آگے سنگ سرخ کا حوض ہے، جس کی لمبائی سولہ گز اور چوڑائی چودہ گز ہے، حوض کے آگے مسجد کا کشادہ و وسیع صحن ہے، جس کا طول وعرض سو گز سے سو گز کا ہے، صحن کے اردگرد طلبہ کے لئے کمرے بنے ہوئے ہیں، جن کی تعداد ۶۹ ہے۔

اس مسجد میں شروع سے مدرسہ رہا ہے اور اب تک باقی ہے، یہاں سے سیکڑوں ہزاروں حفاظ اور علماء پیدا ہوئے ہر دور میں اچھے اچھے علماء نے یہاں درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے ہیں، اور بحمد اللہ اب بھی اس مسجد میں مدرسہ عربی قائم اور باقی ہے۔

(آثار الصنادید طےؔ ۲ باب سوم)

اس مسجد کے تین بڑے دروازے ہیں، جن میں سنگ سرخ کا کنگورہ ہے، اِدھر اُدھر برجیاں ہیں، مسجد کی چھت پر بھی چار برجیاں ہیں، جن پر سنگ مرمر کی پٹیاں ہیں۔ اور ایک بڑا گنبد ہے جو سنگ خاور کا ہے اس پر سیاہ و سفید دھاریاں پڑی ہوئی ہیں۔ (تمدنی جلوے ص۱۹۷)

اس مسجد سے متعلق بہت دکانیں ہیں، انگریزی دور حکومت ۱۸۵۷ء میں یہ دکانیں بحق سرکار ضبط کرلی گئی تھیں، اور انھیں نیلام کرادیا تھا، ۱۲۹۲ھ یا ۱۲۹۳ھ میں انجمن راشدین صلح کل اسلامیہ دہلی کی طرف سے واگذاری کی درخواست دی گئی، اور انجمن برابر اس کے لئے کوشاں رہی، ۱۲۹۵ھ میں بالآخر حکومت نے یہ دکانیں واپس کیں۔ (یادگار دہلی ۱۵۴)

موتی مسجد شاہ عالم دہلی

شاہ عالم بہادر شاہ نے ۱۱۲۱ھ مطابق ۱۷۰۹ء میں یہ مسجد تعمیر کرائی تھی، جو قطب صاحب کی درگاہ کے پاس ایک چہار دیواری میں واقع ہے، یہ تمام کی تمام خالص سنگ مرمر کی ہے، اس کا فرش بھی پورا کا پورا سنگ مرمر کا ہے، جس پر سنگ موسی کی دھاریاں ہیں، یعنی اس سے مصلّٰی بنایا گیا ہے، اس کے تین گنبد ہیں اور تین دروازے ہیں، صحن مسجد کے دونوں کناروں پر سنگ مرمر کے دو مینار ہیں، بانی مسجد کے زمانہ میں زلزلہ سے اس کا درمیانی گنبد گر گیا تھا جس کی مرمت خود شاہ عالم نے اپنے وقت میں کرادی تھی۔ (آثار الصنادید ص۷۹ باب اول)

سنہری مسجد کوتوالی دہلی

شہر شاہ جہاں آباد میں ایک کوتوالی چبوترہ ہے، اس کے پاس یہ مسجد واقع ہے، یہ مسجد نواب روشن الدولہ ظفر خاں کی تیار کردہ ہے، انھوں نے اس مسجد کو بعہد محمد شاہ ۱۱۳۴ھ مطابق ۱۷۲۱ء میں بنوایا تھا۔ مسجد خوش وضع اور دیدہ زیب ہے، گو یہ بنی ہوئی چونا اور اینٹ کی ہے، مگر اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے گنبد اور اس کی کلسیاں سب کی سب سنہری ہیں، اس مسجد کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے۔

بعہد بادشاہ ہفت کشور ؛ سلیماں فرخ محمد شاہ داور
بہ نذر شاہ بھیکہ آں قطب آفاق ؛ شد ایں مسجد بہ زینت در جہاں طاق
خدایا نیست لیک از روے احساں ؛ بنام روشن الدولہ ظفر خاں
بتاریخش ز ہجرت تا شمار است ؛ ہزار یک صد و سی و چہار است

موتی مسجد لال قلعہ دہلی

شاہ جہاں بادشاہ کے دور میں بہت ساری عمارتیں بنی ہیں، ان عمارتوں میں سب سے اہم اور ممتاز عمارت لال قلعہ دہلی ہے، جو قلعہ معلّٰی کے نام سے موسوم ہے، اس قلعہ کا نقشہ جب تیار ہو چکا تو پہلے اس کی بنیاد کی کھدائی شروع ہوئی، کھدائی کا کام شب جمعہ ۱۲/ذی الحجہ ۱۰۴۸ھ میں شروع کیا گیا، شب جمعہ کی فضیلت پیش نظر ہوگی، اور اندازہ ہے رات کے اخیر حصہ میں جو مقبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے، بادشاہ سلامت نے خود پہلا پھاوڑا چلا کر شروع کرایا ہوگا، اس سے پہلے دعائیں بھی ہوئی ہوں گی، ۸/محرم ۱۰۴۹ھ کو یہ بنیاد تیار ہوگئی پھر ۹/محرم ۱۰۴۹ھ کو اس کا سنگ بنیاد ڈالا گیا، اور بننا شروع ہوا، پورے آٹھ سال میں جا کر یہ لال قلعہ تیار ہوا،

تیار ہونے کے بعد بادشاہ سلامت کو اطلاع دی گئی، چنانچہ پہلی مرتبہ باضابطہ وہ ۲۴/ربیع الاول ۱۰۵۸ھ کو تشریف لائے اور قلعہ کے اندر داخل ہوئے اور اجلاس قائم کیا، اس لال قلعہ کی لمبائی ہزار گز اور چوڑائی چھ سو گز ہے اور اس کے دیواروں کی بلندی پچیس گز ہے، پورا قلعہ سنگ سرخ سے بنایا گیا ہے، اس قلعہ کے گرداگرد خندق ہے جو پچیس گز چوڑی ہے اور دس گز گہری ہے، گویا یہ خندق اس قلعہ کی محافظ ہے، اندر پانی کا سارا انتظام اسی خندق سے جڑا ہوا ہے۔

یہ قلعہ آگرہ کے قلعہ سے دوگنا بڑا ہے۔

اس لال قلعہ میں شاہجہاں نے متعدد عمارتیں شاہی ضرورتوں کے مطابق بنوائیں، جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، اسی کے ساتھ اس قلعہ میں دو مسجدیں بھی ہیں، جو بعد میں بنی ہیں، ایک مسجد جس کا نام موتی مسجد ہے، یہ ۱۰۷۰ھ مطابق ۱۶۵۹ء میں بنوائی گئی تھی، جو اپنے حسن و جمال میں بے نظیر ہے، اور بقول سر سید مرحوم

"حقیقت میں ایسی مُنبّت کاری تمام قلعہ میں کسی مکان پر نہیں ہے، بلکہ قلعہ کیا، بلکہ روئے زمین پر بھی نہیں"

پھول پتیوں اور گل بوٹوں سے پورے طور پر آراستہ ہے، یہ پوری کی پوری مسجد سفید ترشے ہوئے سنگ مرمر سے تیار کی گئی ہے، اس مسجد کے بنوانے کا فخر اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ کو حاصل ہے۔

اس مسجد کے تین در ہیں، جو بہت ہی جاذب نظر اور خوشنما ہیں اور دو چھوٹے چھوٹے حسین مینار ہیں، اوپر چھت پر تین خوبصورت گنبد ہیں یہ سب سنہرے ہیں، اور ان میں بڑی کشش ہے، اسی وجہ سے بعض لوگ اسے سنہری مسجد کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں، اس موتی مسجد کے صحن میں ایک چھوٹا سا دلفریب حوض ہے، جس سے پانی ابل کر ہر وقت بہتا رہتا ہے، اس طرح یہ حوض چشمہ جاری کے حکم میں ہے، اس مسجد کے شمال ایک خوبصورت سادہ حجرہ بنا ہوا ہے، تاکہ نماز کے علاوہ وقتوں میں اس میں بیٹھ کر باطمینان اوراد و وظائف پڑھے جا سکیں۔

اس وقت اس مسجد کی تعمیر پر ایک لاکھ ساٹھ ہزار خرچ آیا تھا،

اور اس کی تعمیر پانچ سالوں میں مکمل ہوئی تھی، عاقل خاں نے اس کی تاریخ تعمیر اس آیت پاک سے نکالی ہے۔

اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔

(آثار الصنادید صـ۱۵ باب دوم)

چوبی مسجد لال قلعہ دہلی

لال قلعہ میں یہ دوسری مسجد ہے جس کو احمد شاہ نے ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۷۴۸ء میں بنائی تھی، اس مسجد کے تمام ستون اور اس کی ساری محرابیں لکڑی کی تھیں، اس لئے یہ چوبی مسجد کے نام سے موسوم ہوئی، مگر یہ مسجد بالکل ٹوٹ پھوٹ چکی تھی، ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۰ء میں سرکار کی طرف سے دوبارہ بنی ہے، اس مسجد پر کتبہ یہ تھا۔ (آثار الصنادید صـ۲ باب دوم)

بنا کرد مسجد شہ دین پناہ ❊ کہ شد یاورش دولت سرمدی
بروھر کہ آنجا سجود نیاز ❊ بانوار طاعت شود مہتدی
خرد را بحیرت فرو رفت پائے ❊ چو شد فکر تاریخ را مبتدی
بگفتا سروش از سر برتری ❊ بہ بیت شرف مسجد احمدی

مسجد اکبر آبادی - دہلی

فیض بازار میں دلی دروازہ کے سامنے، قلعہ سے متصل یہ مسجد واقع تھی، یہ مسجد شاہجہاں بادشاہ کی بیگم اکبر آبادی کی بنوائی ہوئی تھی اس بیگم کا نام نواب اعزاز النساء بیگم عرف اکبر آبادی بیگم تھا، مسجد کی نسبت اسی بیگم کی طرف ہے، یہ مسجد ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء ۲۴ جلوس میں بنوائی گئی تھی، اس مسجد کے تین برج یا گنبد تھے، اور دو بلند مینار تھے، در سات تھے، ایک درمیان میں صدر در تھا، اور دائیں بائیں تین تین در تھے، مسجد کا طول ۶۳ گز تھا، اور عرض ۱۷ گز تھا خالص سنگ سرخ سے بنی ہوئی تھی، اس مسجد کا پیش طاق خالص سنگ مرمر کا تھا جو بڑا ہی دلکش تھا، اس کے آگے ایک لمبا چوڑا چبوترہ تھا، اس کا طول ۶۳ گز اور عرض ۵۷ گز تھا، اور اس کی بلندی ساڑھے تین گز تھی، اس پر سنگ سرخ کا کٹہرا تھا۔

اس چبوترہ کے آگے ایک خوش وضع حوض تھا، جو سنگ سرخ سے تیار کیا گیا تھا، یہ حوض بارہ گز لمبا اور بارہ ہی گز چوڑا تھا، اس میں نہر کے ذریعہ پانی آتا تھا، مگر نہر جب سے خراب ہوا اس میں پانی آنا بند ہو گیا تھا۔ مسجد کا صحن ۱۴۵ گز لمبا اور ۱۴۰ گز چوڑا تھا۔

اس کے گرداگرد طلبہ کے لئے حجرے بنے ہوئے تھے، جو ایک سو چون گز

کے طول اور ایک سو چار گز کے عرض میں پھیلے ہوئے تھے، ان کمروں کے آگے چار گز چوڑائی میں چبوترہ بنا ہوا تھا۔ (آثار الصنادید ص۹۱ باب سوم)

یہ مسجد دو سال میں بنی، جس پر ایک لاکھ پچاس ہزار خرچ ہوا تھا۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ بن حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے متعلق صاحب الواح الصنادید نے لکھا ہے۔

"شاہ صاحب نے مسلسل چالیس برس تک مسجد اکبر آبادی میں اعتکاف کر کے ترجمہ قرآن مجید مکمل کیا"

صحیح یہ ہے کہ بارہ سال میں ترجمہ مکمل کیا، اور برابر اسی مسجد میں بیٹھ کر درس دیتے رہے، اس مسجد میں سید احمد بریلوی شہید کا حضرت شاہ صاحبؒ کی زیر تربیت قیام بھی رہا تھا۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے متعلق سر سید احمد خاں مرحوم نے لکھا ہے۔

کہ "تمام عمر اکبر آبادی مسجد کے ایک حجرے میں بسر کی... تیس بتیس برس سے زیادہ گذرتے ہیں کہ حضرت نے جہان فانی سے رخت سفر عالم نورانی جاودانی کی طرف باندھ کر جوار رحمت الٰہی میں آسائش کی" (آثار الصنادید ص۵۵)

مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ بہت ساری عمارتیں بربادی سے دوچار ہوئیں، اسی طرح یہ مسجد بھی انگریزوں کے ہاتھوں ۱۸۵۷ء میں برباد ہوئی، مولانا عبدالحیؒ رائے بریلوی نے لکھا ہے۔

"اسے شاہجہاں کی دوسری زوجہ اکبر آبادی محل نے اپنی

مسجد ۱۰۴۰ھ میں ترشے ہوئے پتھروں سے بنوایا تھا، اس میں بھی طلبہ اور اہل علم کے رہنے کے لئے کافی کمرے بنے ہوئے تھے اور اس کے گرد بہت سی دکانیں تھیں، یہ مدرسہ بھی سلطنت مغلیہ کے اخیر تک قائم تھا، اس میں شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی و مترجم قرآن نے ایک مدت تک درس دیا تھا، ۱۸۵۷ء میں اسے انگریزوں نے کھدوا دیا تھا، اس لئے اب اس کا نام و نشان بھی نہ رہا۔"

(ہندوستان اسلامی عہد میں ص ۱۶۲)

اس مسجد کے دروازہ پر ایک کتبہ تھا، جسے سر سید احمد خاں نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں نقل کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسجد عہد شاہجہانی میں ان کی بیگم اعزاز النساء نے تعمیر کرائی، اور ایک جائیداد وقف کی جس کی آمدنی سے طلبہ کی امداد اور مسجد کی ضروریات کی تکمیل ہوتی رہے، تعمیر کے سال کے سلسلہ میں یہ جملہ ہے۔

"ایں منازل منیعہ در عرض دو سال بصرف صد و پنجاہ ہزار روپیہ آخر شہر رمضان المبارک سال ہزار و شصت مطابق بست و چہارم سال جلوس عالم آرا صورت انجام پذیرفت۔" (ص ۱۹ باب سوم)

یہ مسجد سر سید کے زمانہ تک موجود تھی، ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے اسے شہید کر دیا اور نام و نشان تک مٹا ڈالا۔ (تمدنی جلوے، ص ۱۹۷)

مسجد و مدرسہ شرف الدولہ۔ دہلی

شہر شاہجہاں آباد میں دریبہ بازار ہے، اسی بازار میں یہ مسجد واقع ہے، اس سے متصل مدرسہ بھی ہے، اس مسجد و مدرسہ کو نواب شرف الدولہ بہادر نے ۱۱۳۵ھ مطابق ۱۷۲۲ء میں محمد شاہ بادشاہ کے دور حکومت میں بنوایا تھا، اس مسجد کی عمارت چونا اور اینٹ سے تیار کی گئی ہے، مگر اس کے تینوں برج سنگ مرمر کے ہیں۔ اس سنگ مرمر کا رنگ بہت گاڑھا ہے، زردی اس قدر مائل ہے کہ اس پر پیتل کا دھوکہ ہوتا ہے۔ اس کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے۔

در زمان خورشید سریر	ظل حق، ماہ زمیں، شاہ زماں
ناصر الدین کہ محمد شاہ است	تیغ او کفر شکن در دوراں
شرف الدولہ بنا فرمودہ	مسجد و مدرسہ عالی شاں
ایں دو بیت اشرف علم و عمل	ہمچو سعدین فلک کرد قراں
سال تاریخ بنا گفت خسرو	قبلۂ حج ارادت کیشاں ۱۱۳۵ھ

(آثار الصنادید ص ۲۴ باب سوم)

مسجد درگاہ نظام الدین دہلی

اس مسجد کو حضرت نظام الدین کی درگاہ میں ۷۵۴ھ مطابق ۱۳۵۳ء میں فیروزشاہ بادشاہ نے بنایا، خود فیروزشاہ کا بیان ہے کہ اس جماعت خانہ کو نئے سرے سے میں نے بنایا ہے، پہلے یہ نہیں تھا۔

اس مسجد کا درمیانی درجہ سنگ سرخ کا ہے، اور چودہ قطر کا گنبد ہے، اس کے بیچ سونے کا کٹورہ لٹکتا ہے، جاٹوں نے اس میں گولیوں سے مار کر دیکھا تھا مگر وہ ٹوٹا نہیں، دو درجے اس بڑے درجہ کے ادھر اُدھر ہیں، اور ان کی چھت پر دو، دو برج بنے ہوئے ہیں، اس طرح پوری مسجد میں پانچ برج ہیں، مسجد کی پیشانی پر آیات قرآنی کندہ ہیں، بعض خط کوفی میں اور بعض خط نسخ میں۔

باہر کی دیوار پر حضرت کے انتقال کے بعد آپ کے انتقال کی تاریخ لکھ دی گئی ہے، وہ یہ ہے۔

نظام درگیتی شہ ماطین ؛ سراج دو عالم شدہ بالیقیں
چوں تاریخ فوتش بجستم زغیب ؛ ندا داد ہاتف شہنشاہ دیں
۷۲۵

(آثار الصنادید باب سوم)

سرسید نے اپنی اس کتاب کے باب اول میں لکھا ہے کہ اس کا پہلا درجہ علاء الدین خلجی کے صاحبزادہ خضر خاں نے ۷۱۲ھ سے پہلے

بنایا تھا، اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ درجہ مسجد کا بے نظیر اور عدیم المثال ہے، اتنا بڑا الداؤ دیکھنے میں نہیں آیا، اور ادھر اُدھر کے دو درجے سلطان محمد تغلق نے بنایا۔ (آثار الصنادید باب اول)

مسجد کوٹلہ نظام الدین دہلی

حضرت نظام الدین کی درگاہ سے متصل یہ مسجد واقع ہے، اسے خاں جہاں فیروز شاہی نے ٧٧٢ھ مطابق ١٣٧٠ء میں بنوائی تھی۔ اس مسجد کا نقشہ مسجد بیگم پور اور کالی مسجد کی طرح ہے، چونے اور پتھر سے تیار کی گئی ہے اور مسجد کی پیشانی پر تعمیر سال کا کتبہ لگا ہوا ہے،

جامع مسجد فیروزی۔ دہلی

یہ مسجد فیروز شاہ نے اپنے کوٹلہ میں قریب ۷۵۵ھ مطابق ۱۳۵۴ء میں بنوائی تھی، اب یہ مسجد ٹوٹ چکی ہے، اس کے کھنڈرات لاٹھ کے پاس موجود ہیں، اس مسجد کا گنبد ہشت پہل تھا، اس کے ہر چہار طرف بادشاہ موصوف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی کا خلاصہ کندہ کرا کر لگا دیا تھا جو اسکی اپنی تصنیف ہے اس میں اول احکامات شاہی کا خلاصہ ہے، جس میں اوقاف کے متعلق فراین شاہی تھے، پھر سیاست مدنی، خراج اور رعایا کی آسائش سے متعلق فراین تھے۔

تیمور نے ۸۰۱ھ مطابق ۱۳۹۹ء میں جب دلی کو فتح کیا تو سب سے پہلے اسی مسجد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا تھا۔ (آثار الصنادید)

مورخ عفیف نے اپنی تاریخ میں آٹھ جامع مسجدوں کا ذکر کیا ہے اس میں سرفہرست اسی مسجد کا ذکر ہے، اس نے لکھا ہے کہ یہ مسجدیں بہت بڑی تھیں، اور اتنی باوسعت کہ ہر ایک مسجد میں دس ہزار نمازی نماز پڑھ سکتے تھے۔ (دلی کی دو سو برس کی تاریخ ص۵۴)

مسجد قلعہ کہنہ دہلی

شیرشاہ جب بادشاہ ہوا، تو اس نے ۹۴۸ھ مطابق ۱۵۴۱ء میں پرانے قلعہ کے اندر یہ جامع مسجد بنوائی تھی، پرانے قلعہ کے اندر شمالی دیوار سے متصل یہ مسجد واقع ہے، یہ قدیم مسجد اس زمانہ کی شاہی عمارتوں میں بہت خوبصورت بلکہ بے نظیر ہے، پوری مسجد سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے، اس میں جگہ جگہ خوبصورتی کے لئے سنگ مرمر بھی جڑا گیا ہے جس سے حسن دوبالا ہوگیا ہے۔

اس مسجد میں بکثرت آیات قرآنی خط نسخ اور خط کوفی میں کندہ ہیں، تمام محرابوں اور گوشوں پر عمدہ مینت کاری اور پچکاری ہے، اس مسجد کی ساخت قابل دید ہے، اس کا لداؤ بڑا عمدہ ہے، سنگ سرخ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تراش کر خوبصورتی کے ساتھ اس سے لداؤ بنایا گیا ہے۔

اس مسجد کے صحن میں ایک حسین حوض ہے، جو سولہ گوشے والا ہے مگر اب بے مرمتی کی وجہ سے حوض خراب ہوچکا ہے، اس کے آثار بہت چوڑے اور کشادہ ہیں، ان سے چھت پر جانے کا زینہ بنایا گیا ہے۔

اس مسجد کی چھت پر اس وقت بھی ایک گنبد موجود ہے، گنبد کے کناروں میں چھتریاں بنی ہوئی ہیں، جو اب ٹوٹ رہی ہیں۔

اس مسجد کا تذکرہ اکبر نامہ میں جامع مسجد کے نام سے آیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں کے وقت میں یہی جامع مسجد رہی ہو گی، اس مسجد میں سنہ تعمیر کا کتبہ نہیں ہے، البتہ مسجد کے آگے پیش طاق پر کچھ اشعار کندہ ہیں، ان میں سے ایک شعر یہ ہے۔

تا جہاں آباد باشد ایں مقام آباد باد
خلق عالم اندرش ہم خرم دہم شاد باد

(آثار الصنادید ص ــــ)

مسجد سرہندی دہلی

شاہجہاں بادشاہ کی ایک بیوی کا نام سرہندی بیگم تھا، انھوں نے ہی یہ مسجد ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء میں بنوائی تھی، یہ مسجد لاہوری دروازہ کے باہر واقع ہے، اس مسجد کا صحن خندق میں پڑ گیا ہے، مگر اس مسجد کا دالان اب تک باقی ہے، یہ مسجد بھی پوری سنگ سرخ سے بنی ہوئی ہے، لیکن ٹوٹ پھوٹ کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں۔

(آثار الصنادید باب اول ص۹۳)

فخر المساجد دہلی

فخر النساء خانم نواب شجاعت خاں کی اہلیہ تھیں، انھوں نے شاہجہاں آباد میں ایک مسجد تعمیر کی، جو کشمیری دروازہ کے پاس واقع ہے، یہ مسجد ۱۱۴۱ھ مطابق ۱۷۲۸ء میں بنوائی گئی، مسجد زیادہ وسیع نہیں ہے مگر اپنی بناوٹ اور خوش وضعی میں شہرت رکھتی ہے، اس مسجد کے گنبد کی خصوصی طور پر شہرت ہے، جو بہت اچھے خوبصورت بنے ہیں، اس مسجد کی رو کار سنگ مرمر کی ہے، اور اس پر جا بجا سنگ سرخ کی دھاریاں بنی ہوئی ہیں۔

مسجد کے اندرونی حصہ میں سنگ مرمر بہت عمدہ انداز میں لگائے گئے ہیں، اس مسجد کے تمام گنبد سنگ مرمر کے ہیں، جن پر سنگ موسیٰ کی دھاریاں بنی ہوئی ہیں، جس سے اس کی خوبصورتی دوبالا ہو گئی ہے اس مسجد کی کلسیں سنہری ہیں۔

مسجد کے اندر کا پورا فرش سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے، اور صحن مسجد کا فرش سنگ سرخ سے تیار کیا گیا ہے، شمالی حصہ میں دو رخا دالان ہے، اس دالان کے آگے ایک خوبصورت حوض ہے، جس میں فوارہ بھی تھا، مگر اب گردش ایام سے دونوں ٹوٹ رہے ہیں۔ (آثار الصنادید باب سوم ص ۲۷)

مسجد روشن الدولہ دھلی

شہر شاہجہاں آباد میں قاضی وارہ کے پاس پھول منڈی اور فیض بازار ہے، یہ مسجد اسی حلقہ میں واقع ہے، اس مسجد کے بانی نواب روشن الدولہ ظفر خاں ہیں، انھوں نے یہ مسجد بعہد محمد شاہ ۱۱۵۷ھ مطابق ۱۷۴۵ء میں بنوائی تھی، اس مسجد کے تین گنبد ہیں، اور تینوں سنہرے تھے، کچھ عرصہ گذرا کہ یہ سنہرے برج یہاں سے لے جا کر ایک دوسری مسجد میں لگا دیئے گئے جو کوتوالی چبوترہ کے پاس سنہری مسجد کے نام سے مشہور ہے، اور جس کا ذکر بھی اس کتاب میں موجود ہے،

یہ مسجد اپنے زمانہ میں بہت عمدہ اور نفیس صورت تھی مگر گردش ایام سے شکستہ اور ویران ہو گئی تھی اور گرنے کی قریب تھی کہ جناب قاضی محمد فیض اللہ خاں صاحب نے اپنی نیکی اور بلند ہمتی سے اس مسجد کی پوری مرمت کرا دی جس سے اس کو نئی زندگی مل گئی ہے اس کی پیشانی پر تاریخ تعمیر کندہ ہے۔

(آثار الصنادید ص۱ باب سوم)

مسجد اورنگ آبادی دہلی

سلطان عالمگیر کی ایک بیوی کا نام نواب اورنگ آبادی بیگم تھا انھوں نے شہر شاہ جہاں آباد دہلی میں پنجابی کٹڑے کے اندر ایک مسجد بنوائی تھی، یہ مسجد سر سے پاؤں تک سنگ سرخ کی ہے، اس کا سنہ تعمیر ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۷۰۳ء ہے، اس مسجد کے صحن میں ایک خوبصورت حوض ہے، جس میں نہر سے پانی آتا تھا، اس مسجد کا صحن بہت وسیع اور کشادہ تھا، مگر اب کناروں میں بسنے والوں نے اس کا بڑا حصہ اپنے گھروں میں شامل کر لیا ہے۔ سر سیدؒ نے لکھا ہے کہ اس جگہ اب پنجابی مسلمان رہتے ہیں، اور اسی وجہ سے یہ حصہ پنجابی کٹڑہ کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔

اس مسجد میں میاں نذیر حسین جو شیخ الکل فی الکل کے نام سے پکارے جاتے ہیں، اپنے زمانہ میں درس حدیث دیا کرتے تھے اور مولانا عبدالخالق صاحب بھی، میاں نذیر حسین کے درس کا کبھی بڑا شہرہ تھا۔ (آثار الصنادید ص ۲۷ باب سوم)

زینت المساجد دہلی

زینت النسار بیگم شاہ عالمگیر اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی لاڈلی صاحبزادی گذری ہیں، جن کی علمی صلاحیت مشہور تھی اور جنھوں نے بہت سارے کارنامے انجام دیئے تھے، انھی صاحبزادی کی یہ مسجد تعمیر کردہ ہے، یہ مسجد انھوں نے ۱۱۲۲ھ مطابق ۱۷۱۰ء میں بنوائی۔ انھوں نے اس کے متصل ایک کمرہ بھی بنوادیا تھا کہ ان کی موت کے بعد ان کو اسی میں دفن کیا جائے۔

پوری مسجد سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے، البتہ اس مسجد کے تینوں برج سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں جس میں سنگ موسٰی کی دھاریاں بنوا کر رونق کو دوبالا کر دیا گیا ہے، اس مسجد میں دو مینار بھی ہیں جو سو فٹ بلند ہیں، اتنے بلند کہ دور سے نظر آنے لگتے ہیں یہ چار منزلہ ہیں، اس مسجد میں سات در ہیں، ان میں درمیانی در بہت بڑا اور کشادہ ہے اس مسجد کے صحن میں ایک خوشنما مستطیل حوض بھی ہے، جس میں کنواں کے ذریعہ پانی آتا تھا، اب وہ کنواں بند ہوگیا ہے۔ اس کے شمالی حصے میں ایک کٹہرا سنگ مرمر کا ہے اور دوسرا سنگ باسی کا، اس کے اندر والے کٹہرے میں بانی مسجد صاحبزادی زینت النسار کی قبر ہے اور سرہانے میں پتھر کا کتبہ لگا ہوا ہے، یہ مسجد دریا گنج میں خیراتی گھاٹ

کے پاس ہے۔

اس کے برجوں پر سنہرے خوشنما کلس بنے ہوئے ہیں۔

(آثار الصنادید حصّہ ۲ باب سوم)

دہلی کی جامع مسجد کے بعد اس کا درجہ ہے، یہ بڑی بھی ہے اور خوبصورت بھی، گو اب اچھے حال میں نہیں ہے مسجد کا صحن ۱۹۵ فٹ لمبا اور ۱۱۵ فٹ چوڑا ہے، جس میں سنگ سرخ کے چوکے بچھے ہوئے ہیں۔

(تمدنی جلوے ص ۲۱۷)

سنہری مسجد دہلی

یہ مسجد قلعہ کے زیر سایہ واقع ہے، اس کو ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۵۱ء میں نواب بہادر جاوید خاں خواجہ سرائے بنوایا تھا، یہ شخص احمد شاہ کی والدہ کا بڑا مقرب تھا، اور اسی وجہ سے اس کو نواب بہادر کا خطاب ملا تھا۔

یہ مسجد پوری سنگ باسی کی بنی ہوئی، بہت حسین اور خوبصورت ہے اس کے دونوں مینار بھی بڑے عمدہ ہیں، تین گنبد تھے اور سب کے سب سنہرے تھے، اس کی ساری کلسیاں بھی سنہری ہیں، اس کے گنبد ٹوٹ گئے تھے، تو بہادر شاہ بادشاہ نے ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء میں سنگ باسی کا بنوا دیا تھا، اس مسجد میں حوض بھی ہے، مگر اب اس میں پانی نہیں آتا ہے، اس کی پیشانی پر تاریخ تعمیر کندہ ہے۔ (آثار الصنادید حصّہ ۲ باب سوم)

مسجد عیسیٰ خاں دہلی

عرب سرائے عزبی دروازے کے پاس ایک چہار دیواری ہے، اس کو عیسیٰ خاں کا کوٹلہ کہا جاتا ہے عیسیٰ خاں مرحوم شیر شاہی امیروں میں تھے، شیر شاہ کا جب انتقال ہوا تو عیسیٰ خاں کی کوشش و تدبیر سے سلیم شاہ کو گدی ملی، اور عادل کو اپنے بڑے بھائی پر کامیابی ملی، انہی عیسیٰ خاں نے عہد سلیم شاہی ۹۵۴ھ میں یہ مسجد بنوائی تھی جو اس کوٹلہ میں واقع ہے، مسجد کی عمارت اپنے دور کے اعتبار سے قابل ذکر اور خوبصورت ہے، گو اس زمانہ میں اس کو خوبصورت نہیں کہا جائے گا، یہ مسجد سنگ خارا سے بنی ہوئی ہے، البتہ اس کی محرابیں سنگ سرخ سے بنائی گئی ہیں، سر سید نے لکھا ہے کہ یہ مسجد اب بھی موجود ہے۔ (آثار الصنادید باب اول ص ۳۳)

مسجد کالو سرائے دہلی

یہ مسجد بیگم پور مسجد کے قریب ہے، اور خاں جہاں فیروز شاہ کی بنوائی ہوئی ہے، اس کی تعمیر غالباً ۷۸۹ھ / ۱۳۸۷ء کی ہے، یہ چونے پتھر کی ہے، یہ مسجد اب باقی نہیں رہی۔ (ایضاً ص ۸۵)

مسجد حضرت قطب صاحبؒ دہلی

خواجہ بختیار قطب الدینؒ کا جہاں مزار ہے، اسی سے متصل بلکہ اس کی جالیوں سے ملی ہوئی یہ مسجد واقع ہے، اس مسجد کے تین درجے ہیں، پہلا درجہ جو کچا مٹی کا بنا ہوا ہے، یہ حضرت قطب صاحب کا بنایا ہوا ہے، اس میں دو محراب ہیں، ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء میں اسلام شاہ کے عہد میں اس مسجد میں دوسرے درجہ کا اضافہ کیا گیا، اور خود اسی نے اس درجہ کو پختہ بنایا، پھر جب فرخ سیر کا زمانہ آیا تو انھوں نے ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۱۷ء میں اس درجہ کے آگے تیسرا درجہ بنوایا، اور اس کی پیشانی پر تاریخ تعمیر کا کتبہ لگوا دیا، جس کا مادۂ تاریخ "بیت ربی مستجاب" ہے۔ (آثار الصنادید ص۶۷ باب اول)

مسجد بیگم پور دہلی

یہ مسجد خاں جہاں فیروز شاہ کی بنوائی ہوئی ہے، انھوں نے اس مسجد کو ۷۸۹ھ/۱۳۸۷ء میں بنوایا تھا، یہ پتھر چونے سے بنی ہوئی ہے، اس کی وضع قطع کچھ دلپسند نہیں ہے، پٹھانوں کے وقت کی ہے، اور اسی زمانہ کے طرز پر بنی ہوئی ہے، البتہ مضبوط خوب ہے۔ (ایضاً ص۵۸)

مسجد قلعہ ہمایون دہلی

سلطان نصیر الدین ہمایوں بادشاہ نے جب قلعہ تعمیر کرایا، تو اس نے اسی قلعہ کے ساتھ یہ حسین مسجد بھی بنوائی، اس کی خوشنمائی قابل دید ہے، اس زمانہ کی عمارتوں میں ایک ممتاز عمارت ہے اور کہنا چاہیے اپنے دور کی بے نظیر عمارت ہے، اس کی بناوٹ عجیب وغریب اور دلآویز ہے، یہ مسجد سنگ خارا کی بنی ہوئی ہے، مگر اسی کے ساتھ اس میں جگہ جگہ سنگ سرخ اور سنگ مرمر بھی استعمال ہوا ہے، جس سے اس کی خوبصورتی میں رونق آگئی ہے اس مسجد کے اندرونی حصہ میں پانچ در ہیں، ان کی محرابوں پر آیات قرآنی کندہ ہیں، کہیں خط نسخ میں اور کہیں خط کوفی میں۔

صحن مسجد میں حوض ہے جو دیدہ زیب اور حسین ہے، مگر اب امتداد زمانہ سے کافی مرمت طلب ہے، یہ حوض اپنے دور کی اچھی یادگار کی حیثیت رکھتا ہے، مسجد کی چھت پر جانے کا راستہ بھی بنا ہوا ہے جو دلچسپ انداز کا ہے، اس کی چھت پر ہنوز ایک گنبد بطور یادگار باقی ہے۔ (آثار الصنادید ص۴۹ باب اول)

موٹھ کی مسجد دہلی

مبارک پور کوٹلہ سے کچھ فاصلہ پر یہ مسجد واقع ہے، یہ مسجد مشہور بھی ہے اور خوبصورت بھی، چونے پتھر کی بنی ہوئی ہے، اس مسجد کا دروازہ نفس مسجد سے زیادہ شاندار تھا، سنگ مرمر میں آیات قرآنی کندہ ہیں، اب سب پر کہنگی اور بوسیدگی غالب آرہی ہے۔

اندر ایک سنگ مرمر پر تاریخ تعمیر کندہ ہے، مگر وہ مٹ رہا ہے پورے طور پر صحیح پڑھا نہیں جاتا، اس کتبہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مسجد سلطان سکندر بن سلطان بہلول کے وقت کی بنی ہوئی ہے، یعنی اس کا سنہ تعمیر غالباً ۸۹۷ھ / ۱۴۸۸ء ہے۔

(آثار الصنادید باب اول ص۸۵)

بعد میں حاجی محمد اسحاق سوداگر صدر بازار دہلی نے کافی سرمایہ لگا کر اس کی مرمت کرادی ہے، اور اب صورت و شکل اچھی ہوگئی ہے۔ (یادگار دہلی ص۲۲)

مسجد کھڑکی دہلی

یہ مسجد اس پل کے پاس ہے جو ست پلہ کے نام سے مشہور ہے، قدیم زمانہ میں یہاں ایک گاؤں تھا جو کھڑکی کے نام سے موسوم تھا، اس مقام پر خاں جہاں فیروز شاہی نے جب بند کی تعمیر کی، تو اس کے ساتھ ایک مسجد بھی بنوائی، اور اب اسی گاؤں کے نام سے یہ مسجد کھڑکی کے نام مشہور ہو گئی ہے۔

اس مسجد کی عمارت بہت ہی دیدہ زیب اور شاندار ہے، یہ مسجد چوکور ہے جتنی لمبی اتنی چوڑی ہے، اس مسجد کے تین طرف دروازے ہیں صرف قبلہ کی طرف دروازہ نہیں ہے، اس مسجد میں سیکڑوں کی تعداد میں ستون ہیں، جن کی گنتی مشکل ہے چاروں تاج کے مربع پر ایک ایک برج بنی ہوئی ہے، اور ہر ہر برج کے نیچے چار کھمبے یا ستون ہیں۔ (آثار الصنادید باب اول ص۲۲)

اس مسجد کو خاں جہاں فیروز شاہی نے ۷۸۹ھ مطابق ۱۳۸۷ء میں بنوایا تھا، یہ مسجد کافی رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے، اور اس طرح بنائی گئی ہے کہ امام محراب مسجد سے جو قرأت کرتا تھا وہ تمام مسجد میں سنی جاتی تھی۔ (یادگار دہلی ص۲۱۱)

کالی یا کلاں مسجد دہلی

فیروز شاہ نے جب شہر فیروز آباد آباد کیا، تو اس زمانہ میں بہت ساری مسجد بنیں، اسی شہر کے ایک محلہ میں خاں جہاں نے ۷۸۹ھ مطابق ۱۳۸۷ء میں یہ مسجد تعمیر کی تھی شہر کا یہ حصہ جب ویران ہوگیا، اور شاہجہاں نے دوبارہ اس کو آباد کیا، تو یہ مسجد اندرون شہر میں آگئی، یہ مسجد بہت بلند جگہ پر تعمیر ہوئی ہے، اس کی کرسی کافی اونچی ہے، تیس سیڑھیاں طے کر کے آدمی اس مسجد میں پہنچتا ہے، اندر سے مسجد کے تین حصے ہیں، ہر حصہ میں پانچ پانچ در ہیں، اور اس کی چھت پر چھوٹے چھوٹے گنبد بنے ہوئے ہیں۔

مسجد کے دروازہ پر کتبہ لگا ہوا ہے وہ یہ ہے۔

"بفضل وعنایت آفریدگار در عہد دولت بادشاہ دیں دار الواثق بتائید الرحمٰن ابوالمظفر فیروز شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ ایں مسجد بنا کردہ، بندہ زادہ درگاہ جوناں شہ مقبول المخاطب خاں جہاں خدا بریں بندہ رحمت کند، ہر کہ دریں مسجد بیاید، بدعائے خیر بادشاہ مسلمانان و ایں بندہ بفاتحہ و اخلاص یاد کند، حق تعالیٰ ایں بندہ را بیامرزد

مسجد مرتب شد بتاریخ دہم ماہ جمادی الآخرہ سنہ
تسع وثمانین وسبع مائۃ ہجری"

مسجد چوراہٹہ دہلی

یہ مسجد بھی فیروز شاہی کے وقت کی بنی ہوئی ہے، اس کی وضع قطع خاں جہاں کی تعمیر کردہ مسجد کی سی ہے، کہا جاتا ہے کہ فیروز شاہی نے جب مقبرہ بنایا، تو اس نے خود ہی یہ مسجد بھی بنوائی اس کا سنہ تعمیر قریباً ۷۷۶ھ مطابق ۱۳۷۴ء ہے، یہ مسجد بھی چونے پتھر کی ہے، اوپر برج بنا ہوا ہے، بڑی مستحکم اور مضبوط ہے۔

موتی مسجد آگرہ

قلعہ آگرہ ایک مشہور عمارت ہے جسے اکبر نے ۹۷۳ھ میں بنوایا تھا اسی قلعہ کے اندر یہ مسجد شاہجہاں نے بنوائی تھی، اور اس کی تعمیر پر سات سال مسلسل محنت کی تھی، تیرہ لاکھ روپے خرچ آئے تھے، اس کی تعمیر ۱۶۵۶ء میں ہوئی، یہ مسجد سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے سطح زمین سے گیارہ ہاتھ کی بلندی پر واقع ہے، بڑی ہی دیدہ زیب اور حسین ہے، اس کے تین قبے ہیں ہر ایک قبہ کا قطر نو ہاتھ ہے، اس مسجد میں تین دالان ہیں، اکیس ستون اور چھ برج ہیں، ان میں سے ہر ایک پر ہشت پہل گنبد ہے، ہر ایک کا قطر چار ہاتھ ہے، مسجد کا طول ۵۶ ہاتھ اور عرض ۲۱ ہاتھ ہے۔ باہر سے یہ مسجد ۲۳۴ × ۱۸۷ فٹ[1] ہے صحن مسجد سے اندرونی مسجد کی اونچائی ایک ہاتھ ہے، اس کے دونوں طرف دو مینار ہیں، جو کافی بلند ہیں، ان کی لمبائی ۱۰ ہاتھ اور عرض ۳½ ہاتھ ہے اس کے سامنے سنگ سیاہ کی ایک تختی ہے، اس کے صحن میں سنگ مرمر کا ایک عمدہ حوض ہے جو ۳۷ فٹ لمبا اور ۲۷ فٹ چوڑا ہے، صحن مسجد کی لمبائی ۱۵۸ فٹ اور چوڑائی ۱۵۴ فٹ[2] ہے۔ مسجد کے تینوں طرف سنگ مرمر کے ایوان ہیں، مسجد کے شمال جنوب اور مشرق میں بلند اور حسین

---

[1] و [2] تمدنی جلوے صفلا۔

تین دروازے ہیں ۔ (ہندوستان عہد اسلامی میں ص۱۴۳)

ایک تہ خانہ بھی ہے جس سے حرم کی بیگمات نماز پڑھنے آیا کرتی تھیں، ان کے لئے الگ مصلی ہیں، صحن میں دھوپ گھڑی بھی ہے ۔ تاج محل کے بعد اس عمارت کا کوئی جواب نہیں ۔ (تمدنی جلوے ص۱۱۱)

مسٹر لیبان تمدن عرب میں لکھتے ہیں ۔

"آگرہ کی مشہور عمارتوں میں موتی مسجد بھی ہے، جو شاہجہاں کی بنوائی ہوئی ہے، اس نے اسے ۱۶۵۶ء میں تعمیر کیا تھا، انگریزوں کا رئیس الاساقفہ لکھتا ہے کہ اس مسجد کے دیکھنے کے بعد مجھے بہت شرم آئی کہ میرے مذہب کے معماروں نے کبھی کوئی عمارت ایسی نہیں بنائی جو اس خانہ خدا کا مقابلہ کر سکے ۔" (تمدن عرب ص۱۹۱)

یہ بھی اہل علم نے لکھا ہے کہ شاہجہاں نے جو اضافے کئے ان میں سب سے زیادہ موثر اور ممتاز موتی مسجد ہے ۔ (تمدنی کارنامے ص۳۲)

جامع مسجد آگرہ

یہ مسجد جہاں آرا، دختر شاہجہاں نے ۱۰۵۸ھ میں بنوائی، اس کا طول ایک سو تیس فٹ ہے اور عرض سو فٹ، اس مسجد کی تیاری پر اس زمانہ میں پانچ لاکھ صرف ہوئے، بعضوں نے اس کی لمبائی ۹۶ گز لکھی ہے یہ مسجد مغل عمارت کا عمدہ نمونہ ہے، اس کی تیاری پر مسلسل پانچ سال لگے ہیں، یہ مسجد ۱۶۳۳ء میں مکمل تیار ہوئی، مسجد کے وسطی محراب میں سورہ والشمس نہایت حسین خط میں کندہ ہے، اس سے شہزادی کا مذاق خوش نویسی ظاہر ہے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اس مسجد کے مشرقی دالان کو منہدم کردیا گیا تھا، بقول مصنف "ارض تاج" اس وقت کی جنگی کارروائیوں میں اس امر کا امکان تھا کہ جامع مسجد آگرہ سرنگوں کے ذریعہ بالکل مسمار کردی جائے، لیکن مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بچالیا۔

یہ مسجد ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں بند کردی گئی تھی، مگر سر جان لارنس نے اس کا دروازہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے واسطے کھلوا دیا۔

(جہاں آرا بیگم ص۳۳ از ضیاء الدین احمد برنی)

یہ مسجد قلعہ سے باہر ہے مگر اس سے متصل ہی ہے اور سرخ پتھروں سے بنی ہوئی ہے۔

مسجد فتح پور سیکری

اکبر بادشاہ نے ۹۷۳ھ میں آگرہ فتح پور سیکری میں ایک عالیشان قلعہ تعمیر کیا، جو سنگ سرخ کا ہے، یہ پورا قلعہ ۹۸۰ھ میں تیس یا پینتس لاکھ روپے سے تیار ہوا تھا۔

اس قلعہ میں اس نے ایک مسجد بھی سنگ مرمر کی بنوائی۔

(خافی خاں ص۱۶۵/۱)

یہ اکبری دور کی ایک اچھی مذہبی یادگار ہے، جہانگیر نے اپنی تزک میں بڑی تعریف کی ہے اور اس کو اپنے والد ماجد کی ایک اعلیٰ درجہ کی نشانی قرار دی ہے، یہ بھی لکھا ہے اس مسجد جیسی دوسرے شہروں میں کوئی دوسری مسجد نہیں ہے، اس کی پوری عمارت خوبصورت پتھروں سے تیار کی گئی ہے، پانچ لاکھ سے یہ مسجد تیار ہوئی ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ جامع مسجد سیکری کا جنوبی دروازہ گجرات کی فتح کی یادگار کے طور پر بنوایا گیا ہے۔ (تزک جہانگیری ص۲۶۴ و تمدنی جلوے ص۲۹)

قطب الدین خاں کلتاش نے اس میں کٹہرا، فرش، گنبد اور پیش طاق سنگ مرمر کا بنایا تھا، اس کے اخراجات اس پانچ لاکھ کے علاوہ ہیں، اس مسجد کے دو بڑے دروازے ہیں، جو بڑا دروازہ جانب جنوب میں واقع ہے، یہ بہت بلند ہے، اور بڑا ہی

شاندار، پیش طاق کا طول سولہ گز اور عرض بارہ گز ہے، اور اس کی بلندی باون گز ہے یعنی ایک سو چونتیس فٹ اونچا ہے، بتیس سیڑھیاں اوپر چڑھنے کے بعد ایک دوسرا چھوٹا دروازہ اس کے مشرق میں ہے سطح زمین سے دروازہ بیالیس فٹ کی بلندی پر ہے۔ (تمدنی جلوے ص۲۹)

مسجد کا طول مشرق سے مغرب تک دیواروں کے عرض کے ساتھ دو سو بارہ گز ہے، از انجملہ اس میں پچیس گز کا ایک حجرہ بھی ہے اس مسجد کا درمیانی گنبد پندرہ گز طول اور پندرہ گز عرض میں پھیلا ہوا ہے، پیش طاق (محراب) سات گز چوڑا ہے اور چودہ گز لمبا ہے، اور اس کی بلندی پچیس گز ہے، اس بڑے گنبد کے ادھر ادھر دو چھوٹے چھوٹے گنبد ہیں، اسی کے ساتھ دس گز لمبا اور دس گز چوڑا ایوان بنا ہوا ہے، مسجد کی چوڑائی جنوب سے شمال تک ایک سو بہتر گز ہے، اور مسجد کے اردگرد نوے ایوان اور چوراسی حجرے ہیں، حجرہ کا عرض چار گز اور طول پانچ گز ہے، اور ایوان کا عرض ساڑھے سات گز ہے۔

اس مسجد کا صرف مقصورہ (ایوان، اور دروازہ چھوڑ کر) ایک سو انہتر گز لمبا اور ایک سو تینتالیس گز چوڑا ہے، دالانوں، دروازوں اور مسجد کے اوپر چھوٹے چھوٹے گنبد بنے ہوئے ہیں، صحن مسجد کے نیچے حوض ہے، جس کو برسات میں بارش کے پانی سے بھر لیا جاتا ہے، جو پورے سال وضو اور مجاوروں کو کافی ہوتا ہے اور بڑے دروازے کے مقابل شمال میں مائل بمشرق نیچے سلیم چشتیؒ کا روضہ ہے۔ (تزک جہانگیری اردو ص۱۸۸، ۱۸۹)

جامع مسجد اور اس کے صحن میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمی ایک وقت میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (تمدنی جلوے ص۲۹)

شاہی مسجد لاہور

لاہور میں عالمگیر کی بہترین یادگار یہ شاہی مسجد ہے، جو بحمداللہ اب تک باقی ہے، یہ مسجد لاہور شہر کی زینت ہے، اس مسجد میں وہ پتھر استعمال ہوئے، جو داراشکوہ نے اس مقصد سے منگوایا تھا کہ حضرت میاں میر کے مزار تک ایک عمدہ پختہ سڑک بنوائے۔ اور حضرت میاں میر کا روضہ تعمیر کرائے، تاکہ صدہا سال تک اس کی یہ یادگار باقی رہے، لیکن اس کی یہ دلی آرزو پوری نہ ہوسکی، وہ قتل ہوگیا۔

عالمگیر نے تمام سنگ سرخ لے کر لاہور میں جامع مسجد تعمیر کرادی جو آج تک قائم ہے، اور پھر حضرت میاں میر کا مقبرہ بھی تعمیر کرادیا۔

یہ مسجد اس وقت دریائے راوی سے متصل بنی تھی، مگر اب دور ہوتے ہوتے دریا راوی دو میل دور چلا گیا جو شمال مغرب میں واقع ہے۔

خلاصۃ التواریخ میں ہے۔

"اگرچہ در ہر کوچہ و بازار مساجد بسیار از بسیار است اما بر کنارہ دریا محاذی دولت خانہ والا حضرت عالمگیر پادشاہ مسجدے عالی از سنگ بنا فرمودہ اند، کہ زیادہ

از پنج لک روپیہ برآں صرف شدہ"
ایک مشہور فرانسیسی سیاح جو ۱۶۴۱ء سے ۱۶۶۷ء تک سیاحت میں رہا، لاہور کے متعلق لکھتا ہے۔

"لاہور سلطنت کا دار الخلافہ ہے جو پنجاب کے پانچ دریاؤں میں سے ایک کے کنارے واقع ہے، دریا پہلے شہر سے متصل بہتا تھا، مگر اب پون میل کے فاصلہ پر چلا گیا ہے، اور اپنی طغیانی سے گرد و نواح کے علاقوں کو بہت نقصان پہنچاتا ہے"

"یہ شہر بہت بڑا ہے اس کی لمبائی ایک کوس سے زیادہ ہے اس کی عالیشان عمارتیں جو آگرہ اور دہلی کی عمارتوں سے بھی زیادہ بلند ہیں، عدم توجہی کی وجہ سے گرتی جا رہی ہیں"

(لاہور عہد مغلیہ میں ص ۲۲، ۲۳ از محمد الدین فوق)

یہ شاہی مسجد قلعہ کے سامنے ہے اور اس مسجد اور قلعہ کے درمیان جنوب میں صرف ایک دو منزلہ عمارت ہے جو ان طلبہ کا دار الاقامہ تھا۔ جو اس شاہی مسجد میں پڑھتے تھے، اس کا حاصل یہ ہوا کہ اس مسجد میں درس و تدریس کا غلغلہ بھی جاری تھا۔

عالمگیر کے بعد یہ عمارت جن میں طلبہ رہا کرتے تھے، عرق نکالنے کا کارخانہ بن گئی، اور آبدار خانہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں ۱۷۹۸ء سے ۱۸۳۹ء تک اس عمارت کا نام "گلاب خانہ" مشہور رہا۔ یہاں عرق گلاب اور بید مشک نکالا جاتا تھا۔ انگریزی دور حکومت میں پھر یہ عمارت اسی مقصد میں

استعمال ہونے لگی جس کے لئے عالمگیر نے تعمیر کرایا تھا یعنی طلبہ علوم دینیہ رہنے لگے۔ (لاہور عہد مغلیہ میں ص۵۳)

مسجد متصل مقبرہ جہانگیر لاہور

جہانگیر کے مقبرہ کی چہار دیواری سے متصل غربی جانب ایک وسیع اور شاندار سرائے ہے، اس سرائے میں تین گنبد کی ایک وسیع وکشادہ اور عظیم مسجد ہے، مسجد کا صحن اینٹ سے تیار کیا گیا ہے، اس پر سرخی چونے کا پلستر ہے، اس صحن میں ایک حوض بھی ہے اور فوارہ بھی، مگر آج کل فوارہ بند ہے۔ (لاہور عہد مغلیہ میں ص۴۲)

مسجد مقبرہ نور جہاں لاہور

نور جہاں کا مقبرہ عالیشان ہے، اس مقبرہ کے مغرب سمت میں ایک مسجد بھی ہے اور اس کے مشرق میں دوسری خوبصورت عمارتیں ہیں مسجد اور یہ عمارتیں چار سال میں بن کر تیار ہوئی تھیں، یہ تمام عمارتیں نور جہاں کی بنوائی ہوئی ہیں۔ نادر شاہی اور احمد شاہی حملوں میں یہاں کی ساری عمارتیں تہس نہس ہو گئیں۔ (لاہور عہد مغلیہ میں ص۶۶)

موتی مسجد قلعہ لاہور

اکبر کے بعد جب جہانگیر سریر آرائے سلطنت ہوا، تو انھوں نے ۱۰۳۳ھ میں قلعہ کا شاہ برج تعمیر کرایا، اسی زمانہ میں جہانگیر نے بیگمات اور حرم سرائی عورتوں کے لئے یہ موتی مسجد تعمیر کرائی، یہ مسجد تخت شاہی کے غربی جانب واقع ہے۔

عبادت کے لئے پچاس فٹ لمبی اور ۳۳ فٹ چوڑی جگہ مخصوص کی گئی، مسجد کے دروازہ پر ایک کتبہ کندہ ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مسجد ۱۰۳۰ھ میں بادشاہ کے ناچیز خادم معمور خاں کی زیر نگرانی تعمیر ہوئی تھی۔

رنجیت سنگھ کے زمانہ میں بحکم مہاراجہ "موتی مسجد" میں خزانہ شاہی رکھا گیا، اور اس کا نام موتی مسجد کے بجائے "موتی مندر" کر دیا گیا۔

جب انگریزوں کا دور حکومت آیا تو اس قلعہ میں بہت ساری عمارتوں کو گرا کر گورا فوجوں کے لئے بارکیں بنائی گئیں، مگر انگریزوں نے ازراہ انسانیت موتی مسجد کو باقی رکھا، اور چند دوسری عمارتوں کو بھی۔

چنانچہ یہ موتی مسجد اب تک قلعہ میں باقی ہے، ابتدائے حکومت میں انگریز حکمراں بھی شاہی خزانہ اسی مسجد میں جمع رکھتے تھے، مگر بعد میں اس مسجد کو واگذار کر دیا اور وہاں سے خزانہ ہٹا لیا، مسجد کو مسجد کی

صورت میں رہنے دیا ۔ (لاہور عہد مغلیہ میں صـ۵۶)

یہ مسجد بلندی پر ہے، نیچے سے گیارہ سیڑھیاں طے کر کے آدمی مسجد کے صحن میں پہنچتا ہے، صحن سنگ مرمر کا ہے، اور صحن سے دو فٹ بلندی پر اندرون مسجد کا حصہ ہے، سامنے پانچ در ہیں، درمیانی در کی محراب کشادہ ہے، نماز کی جگہوں میں سنگ مرمر کے فرش پر نماز کی صفوں میں سنگ موسی کے مصلی بنے ہوئے ہیں، دیواریں آراستہ ہیں اس مسجد کی چھت تین گنبدوں پر مشتمل ہے، مسجد خوب صورت اور دیدہ زیب ہے، سکھوں اور انگریزوں کے دور میں مجروح ہو گئی تھی، لیکن لارڈ کرزن نے پھر سے اس کے حسن کو قائم رکھنے کی سعی کی ۔

(تمدنی جلوے صـ۱۱۵)

مسجد بیگم پورہ لاہور

بیگم پورہ کا پہلا نام مغل پورہ تھا، اس جگہ کو درباری لوگوں نے اپنے اپنے محل بنا کر بڑی زینت بخشدی تھی، اسی محلہ میں شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں حضرت خواجہ خاوند محمود المعروف حضرت ایشاں تشریف لائے پہلے کشمیر میں تھے، یہاں آکر انھوں نے خانقاہ اور مسجد تعمیر کی اور باغ لگایا، اور اسی محلہ بیگم پورہ میں انھوں نے ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی۔

فرخ سید اور محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ میں لاہور کی گورنری پر نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ فائز ہوا، اس گورنر کا تعلق چونکہ حضرت ایشاں کے خاندان سے تھا، اس لئے اپنے قیام کے لئے حضرت ایشاں کے مقبرہ کے پاس کی زمین پسند کی، اس کی بیگم کا نام بیگم جان تھا، اس نے ۱۱۳۹ھ میں مغل پورہ اور اس سے متصل محلہ نہل پورہ میں خوبصورت مکانات و محلات تعمیر کرائے، ایک باغ لگایا، اور اسی کے ساتھ اسی زمانہ میں اس نے ایک خوشنما اور حسین مسجد بھی بنوائی، اس مسجد سے محلہ بارونق مسلمانی محلہ بن گیا، اور محلہ کا نام مغل پورہ کے بجائے بیگم پورہ ہو گیا، اور عوام اسی نام سے اس محلہ کو موسوم کرنے لگے۔

رنجیت سنگھ کی جب حکومت ہوئی، تو اس نے اپنے زمانہ میں تمام عمارتوں سے پتھر نکلوا لئے اور عمارتوں کی جگہ جنگل لگا دیا، مہان سنگھ

نے خزانہ کھنڈرات شاہی پر زراعت کا حکم دیدیا، پھر مہاراجہ کے حکم سے گلاب سنگھ بھوونڈیہ نے خاص بیگم پورہ میں اپنا توپ خانہ قائم کیا، اور جنگلات کو صاف کر کے اس مسجد کو اپنی آرامگاہ بنایا، جس پر دو سو سال گذرنے کے بعد بھی رونق ویسی تر دتازہ تھی، اور اس علاقہ کا نام ہو گیا "چھاؤنی گلاب سنگھ بھوونڈیہ"

مسجد اب تک موجود ہے، اس کی درمیانی محراب کی پیشانی پر لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ لکھا ہوا ہے اور شمالی جانب کی محراب پر اعملوا بالصلوٰۃ قبل الموت اور جنوب کی محراب پر اعملوا بالصلوٰۃ قبل الفوت لکھا ہوا ہے۔

اس مسجد کا منبر سنگ مرمر کا تھا، اب سنگ مرمر کی جگہ سفید چونے نے لے لی ہے، مسجد کے سامنے اس باغ کے آثار نظر آتے ہیں جو بیگم پورہ کی آبادی کے ساتھ نواب بیگم جان نے لگایا تھا۔

(لاہور عہد مغلیہ میں ص۱۰۹)

مسجد قلعہ لاہور

اکبر بادشاہ نے اپنے دورِ حکومت میں لاہور میں شہر کے شمال مغربی حصہ میں ایک بلند و بالا خوبصورت پرشکوہ قلعہ تعمیر کرادیا تھا، جو اب تک گردش دوراں سے گذرتا ہوا کسی نہ کسی حال میں موجود ہے اور اپنے بانی کا مرثیہ خواں ہے، اس قلعہ اور دوسری عمارتوں کے ساتھ اس قلعہ میں ایک مسجد بھی بنوائی تھی، بلاشبہ اکبر مذہبی نہیں تھا، اور اس کے درباری علماء و خدام بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، پھر بھی دربار میں کچھ ایسے لوگ ضرور تھے جو مذہب اسلام کے پابند تھے اور اسے اپنے لئے نجات کا ذریعہ یقین کرتے تھے۔

انہی مذہبی لوگوں کی خاطر بادشاہ اکبر نے حکم دیا کہ قلعہ کے اندر دیوانِ عام کے سامنے جو چبوترہ ہے اس پر ایک مختصر مسجد بنوادی جائے، تاکہ جو لوگ نمازی ہیں ان کو سرکاری کاموں میں مصروف ہونے کے وقت نماز کے لئے دور نہ جانا پڑے، ہمارے سامنے نماز ادا کریں اور فوراً کام پر آجائیں۔ (لاہور عہد مغلیہ میں صہ۴۴ بحوالہ دربار اکبری صہ۷)

ایک حکیم مصری کے نام سے مشہور طبیب تھے، انھوں نے مسجد کی تعمیر پر یہ دو شعر کہے

شاہ ما کرد مسجدے بنیاد ٭ ایہا المومنون مبارک باد

اندریں نیز مصلحت دارد ٭ تا نمازاں گذار بشمارد

نگینہ مسجد قلعہ لاہور

عالمگیر نے لاہور کے قلعہ میں ۱۶۵۸ء میں ایک زنانہ مسجد بھی بنوادی تھی، اس میں شاہی بیگمات نمازیں ادا کرتی تھیں، فرش مسجد میں سنگ موسیٰ سے بڑی چھوٹی جانمازیں بنی ہوئی ہیں، بڑی بیگمات کے لئے اور چھوٹی بچوں کے لئے، اس کے جنوب میں ایک کمرہ وضو کے لئے تھا جہاں وضو کا انتظام رہا کرتا تھا، گرم اور ٹھنڈے دونوں پانی کا نظم تھا، ایک اور کمرہ اوراد و وظائف کے لئے تھا۔ (تمدنی جلوے ص۱۰۹)

اس مسجد کے تین در ہیں، اور محراب دار ہیں، اس کی چھت سنگِ سرخ کے ستونوں پر پتھر کی سلوں سے تیار کی گئی ہے، اس میں ایک حمام بھی تھا، اس مسجد کا نام نگینہ مسجد ہے۔ (ایضاً ص۱۲۷)

مسجد وزیر خاں لاہور

یہ مسجد حکیم علیم الدین چنیوٹی کی بنوائی ہوئی ہے جو وزیر خاں کے لقب سے مشہور تھے، انھوں نے یہ مسجد عہد شاہجہانی میں بنوائی تھی، اس وقت یہ لاہور کے صوبہ دار تھے، ماشاء اللہ اس وقت سے اب تک مسجد آباد چلی آرہی ہے۔ (ہندوستان عہد اسلامی میں ص۱۴۵)

جامع مسجد ملتان

یہ مسلمانوں کا بہت قدیم شہر ہے، آج کل یہ صوبہ پنجاب میں اور پاکستان میں واقع ہے، نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ صوبہ دار نے اس شہر میں ۱۱۴۸ھ / ۱۷۳۵ء میں ایک شاندار جامع مسجد اور ایک عیدگاہ بنوائی تھی، مگر ۱۲۳۱ھ میں جب یہاں سکھوں کا قبضہ ہوا، تو اس جامع مسجد کو انھوں نے اصطبل بنا دیا، پھر جب انگریزوں کو اقتدار حاصل ہوا، تو یہ عمارت ڈپٹی کمشنر کی کچہری بن گئی، مسلمانوں کی درخواست پر انگریزی حکومت نے ۱۸۶۳ء میں مسلمانوں کو واپس کر دی، مگر اس وقت بالکل ختم ہو چکی تھی، وہ انگریزی دور میں ہی کھنڈر میں تبدیل ہو چکی تھی۔

(تاریخ الہ آباد ج۱ ص۲۱۳)

مسجد درّانی ملتان

۱۱۷۱ھ مطابق ۱۷۵۷ء میں اس مسجد کو نواب علی محمد خاں درّانی والی ملتان نے بنوایا تھا، مگر سکھوں کے دور اقتدار میں اس مسجد کو ناظم ملتان کی کچہری میں تبدیل کر دیا گیا تھا، کچھ دنوں اس مسجد میں گرنتھ صاحب بھی رکھی گئی تھی، جب انگریزوں کا دور آیا تو انھوں نے مسلمانوں کو واپس کر دی۔ (ایضاً ج۱ ص۲۱۴)

جامع مسجد الہ آباد

یہ مسجد خسرو باغ سے دور دریائے جمنا کے کنارے قلعہ سے متصل جانب غرب میں واقع تھی، یہ مسجد شاہجہاں بادشاہ کے گورنر نواب سائشتہ خاں نے بنوائی تھی، مسجد بہت بڑی اور کشادہ تھی، یہ مسجد ۱۰۵۶ھ / ۱۶۴۶ء میں بن کر تیار ہوئی، بہت دنوں تک یہ مسجد، مسجد کی صورت میں باقی رہی، مگر انگریزی دور اقتدار میں جب کمپنی کی عملداری آئی تو ۱۸۰۰ء میں کرنیل کیٹ افسر نے اس مسجد میں ردو بدل کر کے اس کو اپنی بود و باش کا مکان بنالیا، مسلمانوں کی سعی اور جدوجہد سے ۱۸۱۱ء میں یہ پھر مسجد کی صورت میں آئی، اور انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو واپس کردی، ایک انگریز نے اپنی مفتاح التواریخ میں لکھا ہے کہ ۱۸۴۸ء / ۱۲۶۴ھ میں جس وقت وہ حالات لکھ رہا ہے مسجد کی صورت میں موجود ہے اور مسلمان عیدین کی نمازیں اسی مسجد میں آکر ادا کرتے ہیں مگر بتدریج یہ مسجد مٹ مٹا گئی، کھنڈرات کی شکل میں باقی رہ گئی، کچھ حصہ پانی میں ہے اور کچھ خشکی میں۔

دوسرے مصنف لکھتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء تک یہ مسجد باقی تھی، پھر فوجی مصلحتوں کے تحت انگریزوں نے ڈائنامیٹ کر کے شہید کردیا سنہ تعمیر اندر مسجد میں تھا اور نظم میں تھا، اس کے ۲۳ اشعار مورخین نے

نقل کیے ہیں۔ (تاریخ الہ آباد ج ۱ ص ۲۱۴)
مزید تفصیل کا کوئی فائدہ نہیں، سائشتہ خاں ملکہ نورجہاں کا بھتیجا تھا۔ جمنا کے اس گھاٹ کا نام جہاں مسجد تھی اب بھی مسجد گھاٹ ہے۔

مسجد باغ شاہی الہ آباد

شاہ عالم ثانی عرصہ تک الہ آباد میں قیام پذیر رہا ہے، باغ شاہی کے قریب حسام الدین علی خاں نے ایک مسجد تعمیر کی تھی، جو ۱۱۸۱ھ / ۱۷۶۷ء میں تیار ہوئی تھی، اس کے دروازہ پر قطعہ تاریخ موجود ہے۔

چوں حسام الدین علی خاں خانہ زاد بارگاہ
ساختہ تعمیر ایں مسجد پائیں عظام
سال تاریخش سروش آورد از عرش بریں
کعبۂ دیں سجدگاہِ مسلمیں بیت الحرام

اب یہ مسجد باقی نہیں رہی، اب اس کی جگہ نئی مسجد بن گئی ہے۔

(تاریخ الہ آباد ج ۱ ص ۲۵۶)

اس مسجد کے بنانے والے کوئی مخیر تاجر تھے، جنہوں نے خسرو باغ کے قریب ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء میں بنا دی تھی، یہ نئی مسجد بھی وسیع اور شاندار ہے۔ (ایضاً ج ۱ ص ۲۶۳)

الہ آباد کی دونوں مسجدوں کی تفصیل تاریخ الہ آباد میں دیکھی جاسکتی ہے، یہاں ہم نے مسجد کی مناسبت سے بقدر ضرورت حصہ لیا ہے۔

مسجد اٹالہ جونپور

اس مسجد کو سلطان ابراہیم شرقی نے ترشے ہوئے پتھروں سے ۱۴۰۸ء میں تیار کرایا، یہ بڑی کشادہ اور وسیع مسجد ہے سلطان اسی مسجد اٹالہ میں جمعہ کی نماز ادا کرتا تھا، اور عیدین بھی اسی میں پڑھتا تھا اس لئے اس کی رونق دوبالا تھی، نمازیوں کا بڑا ہجوم رہا کرتا تھا شاہی خاندان کے افراد اور حکومت کے عہدہ داران بھی ساتھ ہوتے تھے۔

ملک العلمار قاضی شہاب الدین دولت آبادی اس مسجد میں بیٹھ کر درس وتدریس کے فرائض انجام دیا کرتے تھے، طلبہ علوم دینیہ بڑی تعداد میں رہا کرتے تھے، مسجد کے دونوں کناروں میں طلبہ کے رہنے سہنے کے لئے بہت سارے کمرے بنے ہوئے تھے۔

اس کے بعد بھی یہ مسجد ہر دور میں آباد رہی، یہاں مدرسہ بھی برابر قائم رہا، اور علمار درس وتدریس میں مشغول رہے۔

(ہندوستان عہد اسلامی میں ص ۱۳۹)

ایک مصنف نے لکھا ہے۔

"جونپور کی یہ مشہور ومعروف اٹالہ مسجد دراصل ملک العلمار شہاب الدین دولت آبادی کا مدرسہ ہے

جس میں ایک مدت تک اس فخر روزگار ہستی کی بدولت بزم تعلیم گرم رہی، اس کے گرد و پیش جو وسیع سلسلہ حجروں کا ہے، اس کو علمار و طلبہ کی اقامت گاہ سمجھنا چاہیے" (تمدنی جلوے ص۲۲۱)

پروفیسر مجیب لکھتے ہیں۔

"جونپور کے شرقی خاندان نے فن تعمیر کے بہت نمایاں منصوبے پورے کئے، ان میں سے دو اٹالہ مسجد جو ۱۴۰۸ء میں تیار ہوئی اور جامع مسجد جو ۱۴۷۰ء میں بنی خاص طور پر قابل ذکر ہیں" (تمدنی کارنامے ص۱۳)

جامع مسجد جونپور

سلطان ابراہیم شرقی نے ۸۴۲ھ میں ایک دوسری جامع مسجد تیار کرائی، لیکن اس کی تکمیل سے پہلے سلطان ابراہیم وفات پا گئے، سلطان کے انتقال کے بعد محمود اور حسین نے اس مسجد کی تعمیر پر توجہ دی، اور کافی سرمایہ ان لوگوں نے اس پر صرف کر کے اس کی تکمیل کرائی، نقش ونگار والے پتھروں سے یہ بنائی گئی ہے، پورے سات سال کی مسلسل محنت سے یہ مسجد مکمل ہوئی، یہ مسجد اپنی شان وشکوہ میں بے نظیر ہے، ہندوستان میں اس شان وشوکت کی مسجد بہت کم نظر آتی ہے۔

یہ مسجد عوام وخواص میں "بڑی مسجد" کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے، اور شہر کی مرکزی مسجد یہی ہے، اس مسجد کی کرسی جامع مسجد دہلی کی کرسی کی طرح کافی بلندی پر ہے۔

کافی رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے، اپنے بانی کی زندہ یادگار ہے

(ہندوستان عہد اسلامی میں)

اس کے دو ایوان ہیں جو پچاس فٹ لمبے چالیس فٹ چوڑے اور پینتالیس فٹ اونچے ہیں، ان کی چھتیں محرابی شکل کی ہیں۔

(تمدنی کارنامے ص۱۴۱)

جامع شاہی مئو

مئوناتھ بھنجن جس کا شاہی نام جہاں آباد ہے، یہاں بھی ایک شاہی مسجد ہے، جو شاہجہاں بادشاہ کی بیٹی جہاں آرار کی بنوائی ہوئی ہے، علامہ سید سلیمان ندوی نے حیات شبلی میں لکھا ہے۔

"اعظم گڈھ اور چریا کوٹ کے بیچ میں مئوناتھ بھنجن ہے، جس کا حوالہ اعظم گڈھ کے راجاؤں کے شاہی فرمان میں ہے، کہتے ہیں یہ قصبہ شہزادی جہاں آرار بنت شاہجہاں کی جاگیر میں تھا، اس لئے اس کا شاہی نام جہاں آباد رکھا گیا تھا، شہزادی نے اپنے شوق سے یہاں کپڑا بننے کے کاریگروں کو جمع کیا، اور ایک جامع مسجد بنوائی، جس کے چاروں طرف طلبہ کے لئے حجرے تھے، اس قصبہ نے کپڑے کی کمال صنعت وحرفت کے ساتھ علم وفن کی خدمت بھی انجام دی۔

قدیم شاہی مسجد میں اب بھی ایک نیا مدرسہ مفتاح العلوم قائم ہے، اور اس کے پرانے حجروں کی جگہ اب نئے حجرے بن رہے ہیں، اس قصبہ میں کثرت سے علمار پیدا ہوئے اور اب بھی ہیں" (حیات شبلی ص۵۷)

ضیار الدین برنی اپنی کتاب جہاں آرار بیگم میں لکھتے ہیں۔

"مئو میں جو تحصیل اعظم گڈھ میں واقع ہے، جہاں آرا کی بنائی ہوئی سرائے اب تک موجود ہے، یہ شہر جہاں آرا کو دیدیا تھا" (جہاں آرا بیگم صـ ۳۳)

صحیح وہی ہے جو حضرت سید صاحب نے لکھا ہے کہ جہاں آرا نے ایک جامع مسجد بنوائی، جس کے چاروں طرف طلبہ کے لئے حجرے تھے، اور یہ بھی درست ہے کہ کپڑا بننے کے کاریگروں کو جمع کیا، اس لئے یہاں کپڑے کی صنعت وحرفت کو بھی بڑی ترقی ہوئی، اور یہاں سے علم وفن کی خدمت بھی خوب ہوئی۔

اس شاہی مسجد میں حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمن اعظمی دامت برکاتہم اپنی جوانی میں مدرسہ مفتاح العلوم لے آئے اور دورۂ حدیث شریف سے یہاں اس مدرسہ کا افتتاح فرمایا، اپنے تعاون کے لئے اپنے ساتھی حضرت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ اور حضرت مولانا محمد ایوب صاحبؒ کو بھی بلا لیا، اور پھر ان سب حضرات کی محنتوں سے اس مدرسہ نے بڑی ترقی کی، کافی طلبہ مختلف جہتوں اور اضلاع سے آنے لگے، سیکڑوں کی تعداد میں طلبہ کا مجمع ہوا کرتا تھا، اور ماشاء اللہ اب بھی ہے، یہاں سے ہر سال کافی تعداد میں طلبہ فارغ ہو کر نکلتے رہے۔

اس شاہی مسجد کے جنوب وشمال میں کافی اضافہ کیا گیا تھا، اور شاہی مسجد کے گرد اگرد جو حجرے جہاں آرا کے وقت کے بنے ہوئے تھے انگریزی حکومت نے اس کو فروخت کرنا شروع کیا تو مفتاح العلوم نے بھی مسجد کے جنوب میں آٹھ دس کمرے خریدے اور انھیں توڑ کر مدرسہ کے لئے نئے حجرے بنوائے۔

ان شاہی حجروں کو عرف عام میں وہاں کٹرا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے سیکڑوں کی تعداد میں ہوں گے، کچھ گورنمنٹ نے فروخت کئے کچھ میں غریب مسلمان بس گئے تھے وہ ان کے قبضہ میں رہے، کچھ پر پبلک نے قبضہ خرید کر کیا، اور ایک حصہ میں بہت بعد میں استاذ محترم حضرت مولانا النعمانی ؒ نے اپنی چیرمینی کے زمانہ میں میونسپل بورڈ کا لمبا چوڑا دفتر بنوایا۔

اس شاہی مسجد کا صحن بڑا وسیع اور کشادہ تھا، اس میں پرانے نیم کے غالباً تیرہ درخت تھے، شروع میں طلبہ مدرسہ اسی صحن میں درس لیا کرتے تھے، مسجد سے پورب باہر کی جانب کافی صحن خالی پڑا ہے اور اسی طرح اُتر جانب بھی، جس میں پانی کی ٹنکی بن گئی ہے۔

ادھر دو تین سال ہوئے اس شاہی مسجد کو منہدم کر کے حضرۃ الاستاذ مدظلہ کے غائبانہ میں نئی مسجد کی بنیاد ڈالدی گئی، مسجد کی لمبائی تو وہی رہی جو اضافہ کے ساتھ پہلے تھی، مگر چوڑائی میں کئی صفوں کا اضافہ ہوگیا ہے، اور مسجد کی سطح زمین سے بلند کر دی گئی، معلوم ہوا ہے نئی مسجد بن کر تیار ہو چکی ہے، جمعہ میں یہاں بہت نمازی جمع ہوتے ہیں، اور نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، نمازیوں کی تعداد کے اعتبار سے یہ جامع شاہی سب سے کشادہ ہے۔

مئو پہلے اعظم گڈھ کی تحصیل تھی، اب کئی سال سے خود یہ ضلع بنا دیا گیا ہے، خاکسار مفتاح العلوم میں ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۴ء تک تعلیم حاصل کر چکا ہے، اور ایک سال تدریس و افتاء کی خدمت بھی انجام دے چکا ہے خاکسار کی فراغت اسی مدرسہ سے ہے محدث کبیر حضرت

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ اور حضرت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ سے دوسری کتابوں کے ساتھ دورۂ حدیث کی کتابیں بھی پڑھنے کی سعادت حصہ میں آئی ۔

جہاں آرا کا انتقال ۱۶۸۱ء میں ہوا، اور عالمگیر کے حکم سے تین دنوں سوگ منایا گیا، جب اس کی وفات ہوئی تو اس کی خواہش کے مطابق خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار کے ٹھیک پائیں میں دفن ہوئی، اس کے مزار کا کٹھرا تو سنگ مرمر کا ہے، لیکن تعویذ پر سبزہ ہے۔ اسی مناسبت سے یہ شعر بھی کندہ ہے ۔

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا
کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

(تمدنی جلوے ص۳۰۹)

مسجد آستانہ غازیپور

مشرقی یوپی کا مشہور شہر غازیپور ہے، اس شہر کے محلہ میاں پورہ میں دریائے گنگا کے کنارے عہد عالمگیر کی ایک قدیم مسجد ہے، جو "مسجد آستانہ" کے نام سے مشہور ہے، یہ مسجد کافی مستحکم اور مضبوط ہے، مسجد کے کتبہ سے جو وہاں لگا ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد ۱۰۸۱ھ میں بن کر تیار ہوئی تھی، اس عبارت کا یہ حصہ اس طرح ہے۔

"۱۰۸۱ھ در عہد عالمگیر بنا یافت"

چونکہ یہ اخلاص سے اس عہد میں تیار ہوئی تھی، اور یہ خانہ خدا ہے اس لئے گنگا کی موجیں بھی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں اور نہ امتداد زمانہ کا اس پر کوئی اثر ہے، آج بھی دیکھنے سے وہ عمارت تازہ تعمیر معلوم ہوتی ہے گنگا کی موجیں مسجد کے پشتوں سے ٹکراتی رہتی ہیں۔

عمارت بلند ہے اور دیکھنے میں دیدہ زیب، پُرفضا جائے وقوع ہے۔ مسجد اب بھی آباد ہے۔

جامع مسجد پلکھنہ ضلع علی گڈھ

شیخ گھورن نامی شخص شاہی فیل خانے کے داروغہ تھے، انھوں نے یہ مسجد ۹۳۵ھ میں بنوائی تھی، یہ بادشاہ ظہیرالدین محمد بابر کا زمانہ تھا، یہ مسجد پٹھانوں کی تعمیر کا بہترین نمونہ ہے، اس مسجد میں محراب نہیں ہے، جو آج کل عام طور پر رائج ہے، یہ مسجد پتھروں سے بنائی گئی ہے، بعض ستون بودھ طرز کے ہیں، صدر دروازہ پر یہ کتبہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عجلوا الصلوٰۃ قبل الفوت

عجلوا التوبۃ قبل الموت۔

کرد ایں مسجد بنا چوں کعبۂ بلجائے عام

الشرف الاشراف گھورن بن محمد بن سلام

سال ہجرت بود نو صد و سی و پنج اندر شمار

نوبت ظہیرالدین محمد بابر غازی کرام

لکھا ہے کہ آج کل یہ مسجد بطور امام بارہ کے مستعمل ہے۔

(معارف جولائی ۱۹۳۲ء)

مسجد فتح گڈھ

فتح گڈھ ضلع فرخ آباد میں وہ مربع احاطہ موجود ہے، جس کے گوشوں پر کنگرے بنے ہوئے ہیں، اس کے اندر ایک چھوٹی مسجد تھی، اسے اودھ کے جلاوطن وزیر نواب حکیم مہدی علی خاں نے ۱۸۲۳ء میں بنوایا تھا، تاکہ آنے جانے والے یہاں نماز بھی پڑھ سکیں، اور مسافر قیام بھی کر سکیں، مسافروں کے قیام کا بھی انتظام تھا۔

جب سر کالن کیمبل اور ان کے فوجیوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد اس مقام پر قبضہ کر لیا تو یہ مسجد ان سرکاری عہدہ داروں کے قبضہ میں آگئی، جو فوج سے متعلق ہوتے تھے، اور ان کے قیام کے لئے استعمال کی جانے لگی۔

سر ولیم اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں۔

۲۶/اپریل ۱۸۵۸ء کو انھوں نے مسجد کے پاس وسط سرائے میں قیام کیا تھا اور کھانا کھایا تھا، بھٹیارے یعنی سرائے کے محافظ بعد میں اس سے بے دخل کر دیئے گئے، اور گورنمنٹ نے اس عمارت اور مسجد کو ذخیرہ خانہ بنا لیا، اب مسجد اور سرائے دونوں اپنے مصرف میں باقی نہیں رہے بلکہ ملیٹری ورکس کے انجینئر کے تصرف میں ہیں۔ (تاریخ الہ آباد ص ۲۱۳/۲۲)

جامع مسجد اٹاوہ

دریائے جمنا کے کنارے شہر اٹاوہ میں یہ مسجد واقع ہے، یہ مسجد قنوج کی تعمیر کے طرز پر بنی ہوئی ہے، یہ بھی سلاطین شرقیہ کی عمارتوں میں شمار ہوتی ہے۔ (ہندوستان عہد اسلامی میں ص۱۴۰)

مسجد قنوج

یہ مسجد قنوج کے قلعہ کے اندر واقع ہے، اور ایک بلند جگہ پر ہے، کہتے ہیں کہ اس مسجد کو ابراہیم شرقی نے ۸۰۹ھ میں بنایا تھا، مسجد عمدہ اور خوبصورت ہے۔ (ایضاً ص۱۴۰)

جامع مسجد بنارس

یہ مسجد نویں صدی ہجری کی عمدہ یادگار ہے، ابراہیم شرقی کے عہد میں صدر الصدور قاضی صدر جہاں تھے، ان کے ایک نامی گرامی شاگرد شیخ سلیمان محدث تھے، یہ جامع مسجد بنارس ان کی ہی تعمیر کردہ ہے، موصوف نے دوسری مختلف مسجدیں بھی مختلف شہروں میں بنوائی تھیں، بانی مسجد محدّث موصوف کا سلطان حسن شرقی کے عہد میں انتقال ہوا۔

اس زمانہ میں یہ "مسجد گیان باپی" کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے، یہ مسجد ایک شاہی دیوار کی آغوش میں واقع ہے، یہ احاطہ کب تعمیر ہوا، کچھ صحیح اندازہ نہیں، مگر یہ چہار دیواری شاہی کے نام سے اب تک مشہور ہے، مسجد کے تہ خانہ کا شمالی حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے اس احاطہ کا شمالی دروازہ اور اس سے متعلق دکانیں انجمن مساجد کے زیر انتظام ہیں، اس احاطہ شاہی میں اور بھی دکانیں تھیں، جس کی آمدنی مسجد کو ملتی تھی، اور مسجد پر خرچ ہوتی تھی۔

مگر کسی زمانہ میں ضلع حکام نے دباؤ ڈال کر یہ دکانیں مسلمانوں سے ایک سو بارہ روپے سالانہ میں لے کر دکانوں کو منہدم کرا دیا۔

پہلے مسجد کا صدر دروازہ مشرق میں تھا، مگر اس وقت کے

متولی کو قبضہ میں لے کر اس کو بند کرا دیا گیا، اب صرف شمالی دروازہ رہ گیا ہے، جو نمازیوں کے لئے تنگ ہے، جمعہ کے دن جب نمازیوں کا ہجوم ہوتا ہے تو آنے جانے میں زحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس مسجد کے ساتھ ایک دینی مدرسہ بھی تھا، جو ایوان شریعت کے نام سے موسوم تھا، یہ مدرسہ ۱۰۴۸ھ میں تیار ہوا تھا، جیسا کہ ایک پرانے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے، جو بعد میں ملا تھا، ۱۹۲۲ء میں مولوی واعظ الرحمٰن کو ایک پرانا پتھر ملا تھا جس پر ایوان شریعت ۱۰۴۸ھ کندہ ہے۔

مدرسہ ایوان شریعت کی تفصیل یہ ہے کہ جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں شاہزادہ خرم باغی ہو کر شہر بنارس میں آکر مقیم ہو گیا تھا پھر یہیں سے دکن گیا، اور بادشاہ ہو کر پھر بنارس آیا اور اس نے بہت سی مسجدیں بنوائیں، اور ایوان شریعت کے نام سے ایک دینی درسگاہ بھی یہاں بنوائی، آخر الذکر کی تعمیر کا سال ایوان شریعت سے نکلتا ہے۔

جامع مسجد سے متصل جانب مغرب میں ایک دوسری مسجد ہے جو قنائی مسجد سے موسوم ہے، اس قنائی مسجد سے پچھم، قنائی مسجد اور شاہی دیوار کے درمیان ایک پختہ چبوترہ ہے، جہاں مسلمان نماز جنازہ پڑھا کرتے ہیں، قنائی مسجد کا فرش جنازے کے چبوترے سے بلند ہے اور قنائی مسجد کے فرش سے جامع مسجد کا فرش کافی بلند ہے، اس طرح اس جامع مسجد کا فرش زمین سے ایک منزل اوپر ہے۔

اس جامع مسجد میں جمعہ کی نماز میں کافی بڑا مجمع ہوتا ہے، رمضان المبارک کے جمعوں میں یہ مجمع اور بھی بڑھ جاتا ہے، بالخصوص رمضان کے آخری جمعہ میں نمازیوں کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے۔

انگریزی حکومت کا غلط پروپگنڈا

برطانوی حکومت سے پہلے اس مسجد کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور نہ کوئی ہندو مسلم جھگڑا تھا۔

مگر اس وقت حکومت کی پالیسی ہندو مسلم لڑاؤ اور حکومت کرو تھی، اس لئے انھوں نے اس مسجد کے پاس ۱۷۸۵ء میں رانی اہلیا بائی کو وشوناتھ جی کے مندر کی اجازت دیدی، اور اس طرح ایک نیا مندر بنوا دیا، حالانکہ وہاں قطعاً ضرورت نہیں تھی، اور گیان باپی احاطہ کی دیوار پر یہ مندر تعمیر ہوئی، یہ دن بنارس کی تاریخ کا سب سے منحوس دن تھا جس دن انگریزوں نے اپنی حکمت عملی سے ہندو مسلم منافرت کی داغ بیل ڈالی تھی، مسلمانوں نے ابتدا میں صبر و تحمل سے کام لیا، لیکن پھر جب اکتوبر ۱۸۰۹ء میں احاطہ گیان باپی کے اندر ایک اور جدید تعمیر کی بنیاد ڈالی گئی، ہندو مسلم لڑائی شروع ہو گئی، اور کافی خونریزی ہوئی، مسجد و مندر کی توہین ہوئی، ہندو مسلم کا بلاضرورت خون بہا، انگریز دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔

اس کے بعد انگریزوں نے دوسرا غلط پروپگنڈا یہ کرایا کہ یہ مسجد عالمگیر نے مندر توڑ کر بنائی ہے، اس کی تردید خود ایک شریف ہندو بابو سری کرشن ورما حسرت نے کی اور تاریخی طور پر ثابت کیا کہ یہ غلط

پروپگنڈا شروع ہوا ہے، اور اس سلسلہ میں انھوں نے ایک کتاب "کاشی اور بشواناتھ کا مختصر تذکرہ" کے نام سے شائع کی۔

(مرقع بنارس ص۱۷)

جو چبوترہ مسلمانوں کے لئے مخصوص تھا اور جس پر برابر وہ نماز جنازہ پڑھتے چلے آرہے تھے مقدمہ کرا کے اس پر ہندؤں کو بھی حق دیدیا گیا اس کے بعد چاند گرہن اور سورج گرہن کے موقع سے اس چبوترے پر ہندو بھی رات گذارنے لگے۔

تفصیل کیلئے کتاب مرقع بنارس مصنفہ چودھری نبی احمد سندیلوی صاحب کا مطالعہ کیا جائے۔ اب اس مسجد میں مستقل طور پر پولیس کی ڈیوٹی لگی ہوئی ہے، تاکہ کوئی ہنگامہ نہ ہونے پائے۔

مسجد دھرھرہ بنارس

یہ مسجد عہد عالمگیر میں بنی ہے، مسجد قدیم ہے مگر شاندار ہے، اور خوبصورت بھی، یہ مسجد پنچ گھاٹ پر گنگا کنارے واقع ہے، جہاں یہ مسجد ہے وہ جگہ مادھو داس کا دھرھرہ کہی جاتی ہے، یہ کوئی ٹھیکیدار تھا، جس کی نگرانی میں یہ مسجد تعمیر ہوئی، یا کوئی پنڈت تھے جنھوں نے یہ مسجد بنوائی۔

اس مسجد کے مینار بہت بلند ہیں، سطح مسجد سے ۱۴۲ افٹ اونچے ہیں، شہر کے باہر سے نظر آتے ہیں اور شہر بنارس کی نشاندہی کرتے ہیں، یہ مسجد صاف ستھرے پتھروں سے تیار کی گئی ہے مسجد کا فرش جنوب میں وسیع نہیں ہے، کسی کا گھر آگیا تھا، اس نے یہ جگہ کسی قیمت پر نہیں دی، اس لئے وسعت میں کمی رہ گئی، دباؤ سے لینا چاہا تو بادشاہِ وقت نے سختی کے ساتھ رد کردیا کہ ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

یہ مسجد آثار قدیمہ کے تحت ہے، اس کی طرف سے ایک نگراں مقرر ہے، جو اپنے کو قدیم متولیوں کی اولاد میں بتاتا ہے، اس مسجد تک پہنچنے میں ہندو محلوں سے ہو کر گذرنا پڑتا ہے اور وہ بھی پیچدار گلیوں اور تنگ راستوں سے، مگر بایں ہمہ مسلمان وہاں پہنچ کر پانچ وقتوں میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں اور جمعہ کی نماز بھی پڑھتے ہیں۔

انگریزی حکومت نے اپنی خود غرضی میں اگر اس مسجد کے نام پر بھی ہندوؤں کو بدظن کرنے کی سعی کی ہے، اور ہندو مسلم میں منافرت پیدا کرنے کی سازش کی تھی، یہ پروپگنڈا سارا کا سارا غلط اور بناوٹی ہے، اس مسجد کے حوض پر ہندوؤں کو قبضہ دلا دیا گیا ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حاکم بنارس نواب علی ابراہیم نے اپنے زمانہ حکومت میں اس مسجد کی مرمت کرائی تھی، مرقع بنارس کے مصنف نے انگریزی غلط پروپگنڈے کی تاریخی شہادت سے تردید کی ہے، یہاں اس تفصیل کی ضرورت نہیں۔ (مرقع بنارس ص۱۷۹ تا ص۱۸۵)

ایک کھمبا کی مسجد بنارس

راج گھاٹ ٹیڑھی بازار کی پورانی سڑک پر یہ قدیم مسجد واقع ہے، اس کی دیواریں اور چھت مضبوط ہیں، اس مسجد کے نیچے ایک تہ خانہ بھی ہے، مسجد کے احاطہ میں مشرق کی جانب بٹو شہید کا مزار ہے اس کے علاوہ بھی یہاں قبریں بہت ہیں اور سب قدیم زمانہ کی ہیں کھنڈرات بھی بہت ہیں جو اس کی علامت ہے کہ یہاں کسی زمانہ میں اچھی آبادی تھی۔ (مرقع بنارس ص۲۱۳)

مسجد کرارہ بنارس

یہ مسجد ٹیڑھی بازار اور راج گھاٹ کی سڑک پر لب گنگا واقع ہے یہ مسجد ۷۱۸ھ میں تعمیر ہوئی تھی، یہ سلطان قطب الدین مبارک خلجی (۷۱۶ھ تا ۷۲۱ھ) کا عہد حکومت تھا، مسجد میں داخل ہوتے ہوئے ایک بلند چبوترہ ملتا ہے، اس کے جانب پورب دیوار میں ایک کتبہ ہے، جو شاہ عبدالرزاق قدس سرہ کے مزار کے متصل ہے، اس کتبہ کے جو اشعار پڑھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔

بعہد شاہ قطب الدین بودہ ؛؛ مبارک شاہ سلطان ابن سلطان
بسال ہفت صد و ہیزدہ ز ہجرت ؛؛ یہاں سے پڑھا نہیں جاتا ہے۔

مسجد کے اندرونی حصہ میں آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے، موجودہ آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے زمانہ میں یہ مسجد گنگا کنارے ہوگی، کھنڈرات سے ظاہر ہے گنگا کی طرف زینہ بھی تھا اور مسجد کا دروازہ بھی۔

اس مسجد سے متصل ایک شاہی کنواں بھی تھا، مگر مرور ایام سے وہ بھی پامال ہوگیا، مجموعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب بنی ہوگی شاندار ہوگی۔
۱۲۴۸ھ میں کہا جاتا ہے کہ ایک خاتون مسماۃ جیبن نے اس مسجد کی مرمت کرائی تھی، بلکہ از سر نو درست کیا تھا، مسجد کے محراب پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

جبین چوں ایں مسجد بنا کرد ؎ متاع دیں وایماں یافتہ مفت
سروشے سال وے از روے انشار ؎ عبادت خانہ ایں آیدہ گفت
۱۲۴۸

مسجد کے پشتہ کو دریا کی موجوں نے بارہا نقصان پہنچایا، مگر ہر دور میں مسلمانوں نے اس کی مرمت کرائی، اور مسجد کو باقی رکھا، اس میں محلہ علی پورہ اور دوسرے ملحقہ محلوں کا خصوصی حصہ ہے، اب پشتہ مضبوط بن گیا ہے۔ (مرقع بنارس ص ۱۸۶،۱۸۷)

شکر تالاب کی مسجد بنارس

محلہ علی پورہ تھانہ آدم پور میں یہ مسجد واقع ہے یہ بہت پرانی مسجد ہے کچھ دنوں پہلے منہدم ہونے کے قریب ہو چکی تھی، گھاس اور جنگل میں یہ جگہ تبدیل ہوگئی تھی اور مسجد اسی میں دب دبا گئی تھی، شاہ عبدالحمید صاحب مرحوم نے اس مسجد کی صفائی کرائی، نئی چہار دیواری سے اس مسجد کو گھیر دیا، اس کے دو طرف دروازے آنے جانے کے لئے لگوا دیئے اور مسجد کے متصل وضو کرنے کے لئے ایک کنواں بنوا دیا، اس کا نتیجہ یہ ہو گیا کہ مسجد آباد ہوگئی، مصنف مرقع بنارس نے لکھا کہ ان کے زمانہ میں اس مسجد کے متولی شاہ عبدالحمید کے صاحبزادے شاہ عبدالرشید تھے، اور وہ اس کی دیکھ بھال رکھتے تھے، جس سے وہاں نمازی برابر آتے جاتے ہیں۔

(مرقع بنارس ص ۲۱۳)

مسجد راجہ بی بی بنارس

سلطان حسین کے زمانہ میں بہت زبردست قحط پڑا تھا، جو مسلسل سات برس رہا، اس قحط کے زمانہ میں غریبوں کی مزدوری کی خاطر کچھ لوگوں نے عمارتیں بنوائیں کہ غریب کام کرکے بچوں کا پیٹ پال سکیں۔

اسی زمانہ میں سلطان حسین کی والدہ محترمہ نے یہ مسجد ۸۴۲ھ میں بنوائی تھی، ان کی زندگی میں مکمل نہیں ہوسکی اور ان کے فرزند ارجمند کی حکومت بھی جاتی رہی۔

مگر ادھر کچھ زمانہ گذرا کہ شہر کے رئیس مرزا رحمت اللہ بیگ نے توجہ دی اور مسجد کی تعمیر مکمل کرادی، اور وہیں کچھ زمین خرید کر دکانیں بنوادیں اور ان کی آمدنی مسجد پر وقف کردی۔

مسجد آباد ہے پنج وقتہ اور جمعہ کی جماعت ہوتی ہے، مجمع کافی ہوتا ہے، ۱۸۳۳ء کے زلزلہ میں مسجد کو نقصان پہنچا تھا مگر مسلمانوں نے اس کی مرمت کرادی۔ (مرقع بنارس ص ۱۹۹)

عیدگاہ لاٹ بھیروں بنارس

یہ عیدگاہ مسجد کے مصرف میں بھی ہے اور عیدین کی نمازیں بھی اس میں ہوتی ہیں، یہ عیدگاہ شہر سے باہر چھوٹی اور بڑی لائنوں کے درمیان ہے، یہ عیدگاہ بلندی پر ہے، اس کی کرسی کافی بلند ہے، کئی سیڑھیاں طے کرکے آدمی عیدگاہ میں پہنچتا ہے، پچھم سمت کے سوا بقیہ تینوں طرف سے راستے ہیں۔

عیدگاہ کے پورب، پچھم اور اُتر و دکھن مردوں کا شہر خموشاں ہے یعنی اس کے ہر طرف قبریں ہیں، پرانے کھنڈرات اس کی قدامت پر شاہد ہیں، عیدین میں یہاں بہت نمایاں اجتماع ہوتا ہے، یہاں تل دھرنے کی جگہ باقی نہیں رہتی ہے، عیدگاہ کا باہری حصہ بھی کھچا کھچ بھر جاتا ہے، سڑکوں پر بھی صفیں ہوتی ہیں، تالاب کی سیڑھیاں بھی نمازی سے خالی نہیں ہوتیں، حفاظت کے لئے حکام کا پہرہ رہتا ہے، یہاں کنواں بھی ہے جس کے پانی سے نمازی وضو کرتے ہیں، موذن کے رہنے کے لئے کمرہ بنا ہوا ہے۔

اس عیدگاہ کے متعلق وہاں عوام وخواص کا خیال ہے کہ قطب الدین کے دور کی تعمیر کردہ ہے، عیدگاہ کے مشرقی گوشہ میں ایک احاطہ کے اندر آہنی لاٹ ہے، اس کو لاٹ بھیروں کہتے ہیں، یہاں مورتی بھی ہے

یہ ہندوؤں کی جائے پرستش ہے۔

۱۶/دسمبر ۱۹۳۰ء میں ہندو مسلم کے مابین ایک معاہدہ ہوا تھا، اور پھر اس کے بعد ۲۸/دسمبر ۱۹۳۲ء کو ضلع کلکٹر کے سامنے اس کی تجدید ہوئی، اسی پر دونوں عمل پیرا ہیں پھر کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا، مختصر یہ کہ یہ عیدگاہ، اس کا فرش اور کنواں اور آس پاس کا رقبہ سب مسلمانوں کی ملک میں ہیں، بعض خاص تاریخوں میں ان کو وہاں آنے کی اجازت دی گئی ہے، اس سے زیادہ کے مستحق نہیں، اتنا بھی انگریزوں کی لڑانے والی پالیسی کی وجہ سے کرنا پڑا، تاکہ دونوں امن وامان کے ساتھ رہیں۔

لیکن ہندوؤں کو اس معاہدہ کی رو سے مسجد کے فرش پر ٹھہرنے اور بیٹھنے کی قطعًا اجازت نہیں ہے، بعض خاص تاریخوں میں اس پر صرف چڑھنے کی اجازت ہے۔ (مرقع بنارس ص۲۱۱ تا ص۲۱۲)

پورے رقبہ کا جائزہ لینے سے یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہاں کبھی کافی مسلمان بستے تھے، اس کے متصل محلہ جلالی اور جلالپورہ ہے، جہاں اب بھی مسلمان آباد ہیں، یہاں دوسری مسجدوں کے کھنڈرات بھی ہیں۔ (ایضًا)

مسجدِ گنجِ شہیداں راج گھاٹ بنارس

ڈفرن برج کے متصل یہ مسجدِ گنجِ شہیداں واقع ہے، یہیں کاشی اسٹیشن ہے، یہاں سے گنگا اور قلعہ کہنہ بھی قریب ہی ہے، سو سال ہوئے یہ مسجد برآمد ہوئی ہے، پہلے زمین میں دھنسی ہوئی اور دبی ہوئی تھی اور کسی کو اس کی خبر نہیں تھی، جب یہ ظاہر ہوئی تو لوگوں نے اس کا نام گنج شہیداں رکھدیا، اور اسی نام سے مشہور ہے، مسجد بلندی پر واقع ہے، لمبی کافی ہے چوڑی کم ہے، اندازہ ہے کہ کسی زمانہ میں مسجد شاندار ہوگی، اندر سے مسجد عمدہ ہے، جگہ جگہ آیات قرآنی سنہرے حروف میں لکھے ہوئے ہیں، اور کلمہ طیبہ بھی اس طرح لکھا ہوا ہے، ان کتبات کے علاوہ بھی کہیں کہیں مسجد میں سنہرا کام ہے۔

مسجد کی شرقی دیوار میں ایک دائرہ کے اندر یہ مصرع کندہ ہے۔

"خون خود دہد بالین سنگ را بشکند"

مسجد کی چھت دس ہاتھ بلند ہوگی، فرش مسجد پختہ ہے، کسی مسلمان نے بصد شوق بنوائی ہوگی، نام کا پتہ نہیں چلتا ہے، بہر حال ہے قدیم، کیسے دھنسی یہ بتانے والا بھی کوئی نہیں ہے، اب قدرت الٰہی سے خود ظاہر ہوئی ہے کچھ حصہ اب بھی دفن ہے جو باہر نہیں آیا ہے زلزلہ میں غالباً ایسا ہوا ہوگا۔

گیارہویں صدی ہجری میں بعہد عالمگیر ایک دفعہ زلزلہ آیا تھا، یا پھر کسی سیلاب میں یہ حادثہ پیش آیا ہوگا، انگریز مصنف جس نے کاشی کتاب لکھی ہے، اس نے اپنی اس کتاب میں اس مسجد کا تذکرہ کیا ہے۔

اس مسجد کے لئے بعض رئیس مسلمانوں نے دریاں بنواکر بھجوادی ہیں، جن پر دو سو نمازی آجاتے ہیں، الحمدللہ اس مسجد میں پنجوقتہ جماعت بھی ہوتی ہے اور جماعت جمعہ بھی۔ (مرقع بنارس ص۱۹۰ تا ص۱۹۳)

مرقع بنارس کے مصنف نے یہ کتاب ۱۹۳۹ء میں لکھی ہے، اس وقت کے متولی کا نام حبیب خاں ولد نادر خاں لکھا ہے، اور موذن کا نام وزیر خاں، امام ایک عالم دین تھے۔

انھوں نے کاشی نامی کتاب کے انگریز مصنف کی بے ایمانی اور جہالت کا راز بھی فاش کیا ہے کہ یہ ہندو مسلم منافرت کیسے پھیلاتے ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد کے شمال مشرق میں مسجد کی کچھ دکانیں ہیں جن کی آمدنی سے مسجد کے اخراجات پورے ہوتے ہیں۔ (ایضاً)

خواجہ جی کی مسجد بنارس

یہ مسجد محلہ چھتن پور بھانہ آدم پور میں ہے، نورالدین جہانگیر بادشاہ کے دورِ حکومت میں ۱۰۲۷ھ میں تعمیر ہوئی ہے، بانی مسجد کا نام کندہ نہیں ہے، باقی کتبہ کے اشعار کہنے والے اور اسے خطِ نستعلیق میں کندہ کرنے والوں کے نام ہیں، مسجد بہت پرانی ہے، مگر با ایں ہمہ اچھی حالت میں ہے، کتبہ یہ ہے۔

شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر شہ کہ ہست
سایۂ حق، حامیٔ دیں، خسروِ ملک رقاب

صورت انجام بگرفت ایں بنا در عہد آں
باد باقی در جہاں تا موعد یوم الحساب

شد رواج دین احمد در بنارس زیں مقام
صالح آمد بانی ایں مسجد عالی مقام

از خرد چوں کرد طاہر سال تاریخش سوال
خانۂ حق، قبلۂ دین نبی، گفتا جواب
۱۰۲۷ھ

(مرقع بنارس ط ۱۹۶)

مسجد فیروز شاہی بنارس

سلطان قطب الدین ایبک کے صوبہ دار تھے سید محمد باقر مرحوم یہ مسجد فیروز شاہی جہاں واقع ہے، باقریہ کنڈ کے نام سے مشہور ہے یہ محلہ علی پورہ کے متصل گرینڈ رروڈ کے جنوب میں ہے، کثرت استعمال سے عوام میں بکریا کنڈ کے نام مشہور ہو گیا ہے۔

اسی باقریہ کنڈ کے جنوب میں اس مسجد کو ضیاء احمد صاحب مرحوم نے ربیع الاول ۷۷۷ھ میں بنوایا تھا، یہ فیروز شاہ کا زمانہ تھا یہ مسجد اس زمانہ میں شاندار ہوگی، مگر اب کھنڈرات رہ گئے ہیں، اب تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے، جو حصہ رہ گیا ہے اس میں پانچسو نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

مگر مسلمانوں کی غیرت سے یہ آباد ہے اور پنج وقتہ اس میں اب بھی جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہے، اس مسجد کے پاس ہی ایک تالاب ہے، اور مسجد سے تالاب تک مسلسل سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسجد کے اس طرف بھی پہلے دروازہ رہا ہوگا، اور کچھ لوگ تالاب کے پانی سے وضو کرتے ہوں گے۔

اس مسجد پر جو کتبہ ہے وہ کہیں کہیں مٹا ہے اور کہیں کہیں بمشکل پڑھا جاتا ہے، وہ یہ ہے۔

بسم اللہ..... الرحیم

"از عون عنایات ربانی و تائید ظل یزدانی، مسجد، دہلیز و حجرہ و نردبان حوض و محوط مقام متبرکہ سید فخر الدین سید علوی طاب اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ بعہد سلطان الاعظم ..... بتائید الرحمٰن ابو المظفر فیروز شاہ خلد اللہ ملکہ، عمارت بندۂ مسکین ضیاء احمد... حق تعالیٰ بندۂ خود را عاقبت بخیر گرداند، بحق محمد و آلہ و امجادہ من العزۃ من شہر ربیع الاول سنہ سبع و سبعین و سبع مائۃ"

سید فخر الدین کا مزار اب تک مسجد کے جنوب جانب ایک احاطہ میں موجود ہے۔ (مرقع بنارس ص۱۹۴)

مسجد چوکھمبا بنارس

یہ مسجد محلہ چوکھمبا میں ہے، یہ محلہ اس راستہ پر ہے، جو راستہ گنگا دریا کی طرف گیا ہے، مسجد اپنی وضع قطع سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ زمانہ فیروز شاہی میں تعمیر ہوئی ہے، کوئی کتبہ نہیں جس سے بانی اور سنہ تعمیر کا پتہ چلے، مسجد پتھر کی ہے اور ستون بھی پتھر کے ہیں ۱۹۳۱ء کے فساد میں اس کو غیر مسلموں نے شدید نقصان پہنچایا تھا، اور مسجد کے موذن کو شہید کر ڈالا تھا، اس وقت سے رات میں کوئی موذن قیام نہیں کرتا ہے، مگر بایں ہمہ مسجد آباد ہے، اس کے مصارف انجمن مساجد پورا کرتی ہے، رمضان کے اخراجات خود نمازی فراہم کرتے ہیں، مسجد مجموعی اعتبار سے شاندار ہے۔ (مرقع بنارس ص۲۰۲)

مسجد تلیا نالہ بنارس

یہ مسجد ۱۰۲۰ھ کی تعمیر کردہ ہے اور تلیا نالہ کے کنارے بلندی پر واقع ہے، مسجد کے درمیانی در میں کچھ آیات قرآنی کندہ ہیں، نالہ نے اس مسجد کے بڑے حصہ کو برباد کرڈالا ہے، مسلمانوں نے اس کی مرمت کی طرف جیسی توجہ چاہئے نہیں دی، اس مسجد میں سبز پتھر کے ستون ہیں، مسجد کے ایک گنبد اور دو ستونوں کو بند کرکے مغرب کی جانب جالیدار دیوار چن دی گئی ہے، دکھن جانب ایک در باقی رہ گیا ہے، جو اپنی سابق صورت میں باقی ہے۔

موجودہ حالت یہ ہے کہ مسجد اندر سے مسقف ہے اور ایک احاطہ میں ہے، مسجد کے دو درجے اور تین دراب تک محفوظ ہیں، بقیہ نالہ کے نذر ہو چکے ہیں، مسجد کے آگے والی زمین مسجد کی ہی ہے، اور قبضہ بھی مسجد کا ہی ہے، موجودہ متولی اس زمانہ میں محمد عسکری ولد امام علی اور قاضی عبدالکریم ولد قاضی عبدالرؤف صاحبان ہیں۔

(مرقع بنارس ص۱۸۷)

مسجد ڈھائی کنگرہ بنارس

محلہ زیر گولر جو تھانہ آدم پورہ میں ہے، اسی محلہ میں ایک احاطہ ہے اس میں یہ تاریخی مسجد واقع ہے، یہ مسجد کس سنہ میں تعمیر ہوئی تھی، اس میں لوگوں کا اختلاف ہے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ "مسجد دو ایک کنگرہ" اس کا تاریخی نام ہے، اگر یہ صحیح ہے تو اس سے ۶۷۶ھ نکلتا ہے، بنارس میں مسلمانوں کی آبادی محمود غزنوی کے وقت سے ہے، کسی باخدا مسلمان نے یہ مسجد تعمیر کی ہوگی۔

اس مسجد کا صدر دروازہ بہت شاندار ہے، اس احاطہ کے اندر کنواں بھی ہے، اور ایک دوسرے احاطہ میں ایک چھوٹا مدرسہ بھی ہے مسجد خوبصورت ہے، مرمت طلب ہے، اس مسجد میں طالب علموں اور مسافروں کے قیام کے لئے کمرے بھی ہیں، یہاں باقاعدہ جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہے، تراویح بھی رمضان میں پڑھی جاتی ہے۔

(مرقع بنارس ص ۱۸۹)

مسجد ٹھٹری بازار بنارس

یہ مسجد محمد باقر نامی شخص کی بنوائی ہوئی ہے، انھوں نے اس مسجد کو بعہد شاہجہاں بادشاہ ۱۰۴۸ھ میں تعمیر کرایا تھا، یہ ٹھٹری بازار میں واقع ہے، چند دکانیں بھی انھوں نے بنوا کر مسجد پر وقف کر دی تھیں تاکہ اس کی آمدنی سے مسجد کے اخراجات پورے ہوتے رہیں۔

الحمدللہ یہ مسجد بھی آباد ہے، ہر وقت نمازی آکر نماز ادا کرنے میں مشغول نظر آتے ہیں، پنجوقتہ جماعت کا اہتمام بھی ہے، مسجد شاندار اور بارونق ہے، اس پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

از محمد باقر درویش دل ⁂ مسجد خوش در بنارس شد تمام
در زمان شاہ دیں شاہجہاں ⁂ یافت ترتیب ایں چنیں عالی مقام
سال تاریخ بنائے آں ز غیب ⁂ گفت ہاتف مسجد فیض دوام
۱۰۴۸ھ

(مرقع بنارس ص ۱۹۵)

بابری مسجد اجودھیا (فیض آباد)

بابر بادشاہ نے سب سے پہلے ۹۲۵ھ میں ہندوستان پر قبضہ کرنے کی جدو جہد کی، مسلسل چار حملوں کے بعد اسے اللہ تعالیٰ نے کامیابی سے ہمکنار فرمایا، اور وہ ۹۳۲ھ میں تخت شاہی دہلی پر جلوہ افروز ہوا۔

۹۳۵ھ میں وہ اودھ کی طرف بڑھا، جہاں اس صوبہ کے گورنر شیخ بایزید نے بغاوت کر رکھی تھی، گورنر بایزید کو ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا، اب اس کی جگہ اس نے بحیثیت گورنر میر باقی تاشقندی کو اودھ کا ذمہ دار قرار دیا، اور خود واپس ہو گیا، میر باقی تاشقندی نے اجودھیا میں ایک مسجد ۹۳۵ھ میں بطور یادگار بنوائی، جو بابری مسجد کے نام سے موسوم ہوئی۔

یہ مسجد ایک پڑتی غیر آباد جگہ میں اس نے تعمیر کی تھی جو آبادی سے کنارے تھی، اس مسجد کے اوپر جو کتبہ اس نے لگایا ہے وہ فارسی میں ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"بحکم شہنشاہ بابر جس کا انصاف چرخ گردوں تک وسیع ہے، نیک دل میر باقی نے فرشتوں کے اس آشیاں کو تعمیر کیا، یہ کار خیر ہمیشہ باقی رہے، اس مسجد کا

تاریخی نام "بود خیر باقی" ہے"۔ ۹۳۵ھ

مسجد سے جانب مشرق کچھ دوری پر راستہ ہے، اس کے بعد بیراگیوں کے مکانات ہیں، پچھم جانب بھی راستہ ہے، اور راستہ سے دو فرلانگ آگے جلال الدین گوجری کا مزار ہے، یہ پختہ ہے، مشہور ہے کہ شاہ عبدالحق رودولوی یہاں آکر مراقب ہوا کرتے تھے، مسجد سے اتر پختہ سڑک ہے اور دکھن جانب قاضی قدوہ کا مزار ہے، جن کی اولاد قدوائی کے لقب سے مشہور ہے، اس مزار اور مسجد کے درمیان ایک کنواں ہے، جس کے قریب گنج شہیداں ہے، پورب مسجد کے دروازہ کے اندر صحن سے پہلے وضو کرنے اور جوتے اتارنے کی جگہ ہے۔

انگریزی حکومت نے جس طرح بنارس کی بعض مسجدوں میں ہندو مسلم منافرت پیدا کرنے کے لئے مندر کا غلط اور جھوٹ قصہ چھیڑا، اور اسے شہرت دی، اسی طرح یہاں بھی جوتا اتارنے کی جگہ میں بائیں طرف ایک مورت رکھوادی اور مشہور کرایا کہ یہ رام جی جنم استھان ہے مقدمہ ہوا، نواب واجد علی شاہ کا زمانہ تھا، اس نے انگریزوں کے ایما سے صحن اور اس جگہ کے درمیان دیوار کھینچوادی، کہ ہندو مسجد میں نہ جاسکیں، البتہ اس نئی دیوار میں ایک مختصر راستہ مسجد کے صحن میں جانے کا کھول دیا گیا۔

مگر پوری مسجد اپنی جگہ رہی، اور ۹۳۵ھ سے لیکر مسلسل ۱۹۴۷ء/۱۳۶۷ھ تک مسلمان اس مسجد میں پنج وقتہ اور جمعہ کی نماز ادا کرتے رہے، اگست ۱۹۴۷ء میں جب ملک آزاد ہوا، تو کچھ فرقہ پرست ہندوؤں نے رام جنم استھان کا جھگڑا شروع کیا، حکومت ہند نے تا فیصلہ ۱۹۴۹ء میں مسجد پر

تالا ڈلوا دیا، اس کی صورت یہ ہوئی کہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۹ء کی رات میں خاموشی کے ساتھ ہندؤں نے رام چندرجی کی مورت مسجد میں رکھوادی جس کی وجہ سے امن وامان کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا، مسلمانوں کی طرف سے ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کیا گیا، جو آج تک یعنی ۱۹۸۹ء تک فیصل نہیں ہوا، اور پورا ملک ہندو مسلم منافرت کی آگ میں جلتا رہا۔ یہ اُس وقت شعلہ جوالہ بن گیا، جب حکومت کے بعض متعصب وزیروں کے ایماء سے ۲۵ر جنوری ۱۹۸۶ء کو ایک ہندو ریش پانڈے کی طرف سے مسجد میں پوجا پاٹ کے لئے تالا کھلوانے کی ضلع فیض آباد منصف کے یہاں درخواست دی گئی، اس نے اسے رد کر دیا، اس کے بعد اسی شخص نے ۳۰ر جنوری ۱۹۸۶ء کو ضلع جج کو یہی درخواست دی، جس کا نام مسٹر کے ایم پانڈے تھا۔

اس نے کسی کے ایماء سے یہ اپیل قبول کر لی اور یکم فروری ۱۹۸۶ء کو یکطرفہ فیصلہ کے ذریعہ پورے ضلع میں پولیس کا انتظام کرا کے تالا کھلوادیا اور مسجد میں پوجا پاٹ کی اجازت دیدی، اور مسجد ہندؤں کے سپرد کر دی گویا تین دنوں میں ساری کارروائی عمل میں آگئی، مسلمانوں نے ۱۴ر فروری ۱۹۸۶ء میں پورے ہندوستان میں "یوم سیاہ" منایا اور کالی پٹیاں باندھیں، تفصیل کے لئے مطالعہ کیا جائے "بابری مسجد" نامی کتابچہ جسے عزیز محترم مولانا محمد عثمان معروفی اعظمی نے مرتب کر کے شائع کیا ہے، اور اسی نام سے سید صباح الدین عبد الرحمٰن کی کتاب جو دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوئی ہے۔

مسجد دارالعلوم دیوبند

ایشیاء کا سب سے بڑا مرکزی مدرسہ جہاں کتاب وسنت کی تعلیم کا مکمل انتظام ہے دارالعلوم دیوبند ہے، اندرون احاطہ دارالعلوم ایک مسجد کی ضرورت تھی، یہ مسجد ۱۳۲۸ھ میں بن کر تیار ہوئی، یہ مسجد صدر دروازہ باب قاسم کے متصل اندر واقع ہے، مسجد کا رو کار دیدہ زیب اور بڑا جاذب نظر ہے، منقش پتھروں کی جالیوں سے سجایا گیا ہے، مسجد کا اندرونی صدر دروازہ کشادہ اور بارونق ہے، صحن مسجد سے تین سیڑھیوں کو طے کرکے اندر داخل ہوتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ صحن مسجد سے اندر کا حصہ کافی بلندی پر ہے، صحن میں پتھروں سے چنائی کی گئی ہے، اور پورے صحن میں پتھر بچھائے گئے ہیں۔

مسجد کے دونوں بازوؤں جنوب وشمال میں حجرے بنے ہوئے ہیں، جن میں طلبہ کا قیام رہتا ہے، صحن مسجد اور کمروں کے درمیان دو تین فٹ کا راستہ ہے، جس سے آنے جانے والے گذرتے اور کمروں میں داخل ہوتے ہیں، صحن کے کنارے مشرق میں وضو خانہ ہے، جہاں پانی کی نلکیاں لگی ہوئی ہیں، اس سے پورب مسجد کا کشادہ اور وسیع حوض ہے، یہاں بھی نمازی بیٹھ کر چاروں طرف سے وضو کرتے ہیں، حوض کے آگے جانب مشرق میں مسجد کا صدر گیٹ ہے جو صد سالہ کے موقع سے تیار کیا گیا تھا،

یہ گیٹ خوبصورت اور ماشاء اللہ بارونق ہے۔

دارالعلوم کی یہ مسجد دو منزلہ ہے، پہلی منزل پہلے بنائی گئی، یہ منزل حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب ابن مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ اہتمام میں تیار ہوئی، جیسا کہ اس کے کتبہ سے ظاہر ہے، مسجد کی پیشانی پر سنگ مرمر کا یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

کتبہ کی عبارت اس طرح ہے۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ من بنی مسجد اللہ جل مجدہ بنی اللہ لہ مثلہ فی الجنۃ

تاریخ ابتدا و اختتام تعمیر از حضرت مولانا محمود حسن مدظلہ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند

در مدرسہ مسجد نہ باشد	ایں مژدہ ز دوستاں شنیدم
بر لوح جبینش اسم اعظم	خواندم چوں بصحن او رسیدم
در سجدۂ شکر چوں فتادم	در گوش رسید ایں شنیدم
مقروں شدہ عبادت وعلم	در مدرسہ خانقاہ دیدم ۱۳۲۸ھ

الحمد للہ کہ ایں مسجد مقدس متعلق مدرسہ اسلامیہ دیوبند بصرف زر و بذل ہمت جناب حاجی سیٹھ غلام محمد اعظم ساکن راندیر ضلع سورت، بزمانہ اہتمام مولانا حافظ احمد خلف الرشید حضرت مولانا محمد قاسم قدس اللہ تعالیٰ سرہ بانی مدرسہ درسنہ یک ہزار و سہ صد، وبست وہشت انجام پذیر رفت"

مسجد کا طول پچھم سے پورب تک ایک سو اسی فٹ ہے، اور چوڑائی

اُتر سے دکھن ساڑھے باون فٹ، اندرون مسجد چھ صفیں ہیں اور صحن مسجد میں اکیس صفیں۔

اس مسجد کی بالائی منزل ۱۳۴۹ھ میں تیار ہوئی، یہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کے اہتمام کا زمانہ تھا۔

فوقانی مسجد میں یہ کتبہ سنگ مرمر پر کندہ لگا ہوا ہے۔

"قال اللہ الحکیم وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔

الحمد للہ کہ تعمیر منزل بالائی مسجد مقدس دار العلوم بزمانۂ اہتمام مولانا قاری محمد طیب نبیرہ حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم قدس اللہ سرہ بانی دار العلوم در سنہ یک ہزار و سہ صد و چہل و نہ ہجری انجام پذیر رفت"۔ ۱۳۴۹ھ

اس منزل کا برآمدہ پہلے ٹین کی موٹی چادروں کا تھا، صد سالہ کے موقع سے اس کی دیواریں اونچی کر کے چھت ڈال دی گئی۔

چنانچہ اس پر بھی سنگ مرمر کا کتبہ لگا ہوا ہے، وہ یہ ہے۔

"بموقعہ اجلاس صد سالہ دار العلوم ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء

قال اللہ تعالیٰ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔

الحمد للہ کہ مسجد فوقانی دار العلوم بصرف زر، و بذل ہمت عالیجناب الحاج میجر احمد سعید خاں خورجہ، بزمانۂ اہتمام حکیم الاسلام حضرت مولانا الحاج محمد طیب صاحب تکمیل و تزئین یافت"۔

اوپر والے حصہ میں کل چھ صفیں ہیں، تین اندر، تین صفیں برآمدہ والے حصہ میں۔

عظیم الشان نئی مسجد دارالعلوم دیوبند

اندرون دارالعلوم جو قدیم مسجد ہے، وہ طلبہ کی تعداد کے اعتبار سے چھوٹی ہو چکی ہے، چھتہ مسجد کی توسیع کے بعد بھی عرصہ سے ایک بڑی مسجد کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی اور مختلف مجلسوں میں یہ بات بار بار آئی، لیکن قدرت کی طرف سے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے آج سے چند سال پہلے غالباً ۱۴۰۱ھ میں ارباب مشورہ نے اس کے لئے باب الظاہر کے پیچھے جو تالاب بھرا گیا تھا، اس کے شمال میں کچھ زمین تھی جس کو دارالعلوم نے صدسالہ کے سال خریدی تھی، اسی زمین میں اس نئی مسجد کا بنانا طے پایا، جو سابق جامعہ طبیہ اور حال مدرسہ ثانویہ کے سامنے سڑک سے پچھم واقع ہے۔

اللہ کا نام لے کر اس زمین میں نئی بڑی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اور پھر تھوڑے دنوں بعد کام لگا دیا گیا، پہلی منزل ڈیڑھ دو سال پہلے ہی تیار ہو چکی، جو تہ خانہ کے حکم میں رکھی گئی ہے، اور اس کے اوپر دوسری منزل بننی شروع ہوئی، بحمد اللہ یہ منزل بھی اس سال تیار ہو گئی، اب تیسری منزل زیر تعمیر ہے۔

مسجد کی تعمیر کی ذمہ داری اور اس کی نگرانی حضرت مولانا مفتی عبدالخالق صاحب مدراسی زید مجدہ مدرس درجہ علیا دارالعلوم

کے سپرد کی گئی، مولانا موصوف نے دو انجینیروں کی مدد اور مشورہ سے یہ سارا کام بڑی محنت اور جانفشانی سے انجام دیا، اور بقیہ کام انجام دے رہے ہیں، درس وتدریس کے بعد جو وقت بچتا ہے مولانا اسی پر صرف کرتے ہیں۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند نے بھی پوری دلچسپی لی، اور لے رہے ہیں، ان حضرات کے ساتھ حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند کی توجہ خاص بھی برابر قائم ہے۔

دو سال سے اسی نئی مسجد کے تہ خانہ والے حصہ میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی زید مجدہ اعتکاف بھی کرتے ہیں، اور آپ کے ہمراہ آپ کے مریدین اور متوسلین بھی اعتکاف میں ہوتے ہیں، رمضان میں بڑا اچھا خاصا مجمع ہوتا ہے۔

اس حصہ کی تیاری کے بعد اس میں برابر پنجوقتہ نمازیں بھی باجماعت ہوتی ہیں، یہ مسجد اتنی کشادہ اور وسیع ہے کہ ایک منزل میں بیک وقت چوبیس سو آدمی نماز ادا کر سکتے ہیں، اس طرح تینوں منزلوں کے مسقف حصے میں سات ساڑھے سات ہزار نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکیں گے۔

تیسری منزل دوسری منزل کے اوپر تین طرف سے ہوگی، سامنے کا حصہ کھلا ہوا رہے گا، اس طرح کہ تیسری منزل کے نمازی اپنے امام کو بوقت نماز دیکھ سکیں گے۔

اس کا طول اندر اندر پورب سے پچھم تک ایک سو دس فٹ ہے

اورعرض اُتر سے دکھن تک ایک سوتیس فٹ ہے۔

اس مسقف حصہ کے پورب مسجد کا وسیع اور کشادہ صحن ہے، جس کے گرداگرد طلبہ کے لئے ۲۶ کمرے تیار ہوئے ہیں، جوتہ خانہ کے مقابل ہیں، ان کمروں کی چھت پر صحن کا کشادہ برآمدہ بنے گا، اس طرح صحن اور برآمدوں میں بھی کافی نمازی آجائیں گے۔

دیوبند کی یہ سب سے بڑی اور عظیم الشان مسجد ہوگی، اپنی مضبوطی، پائیداری اور خوبصورتی میں بھی بے مثال ہوگی، اور تاریخی مسجد شمار ہوگی، اندازہ ہے ایک ڈیڑھ سال میں مکمل ہو جائے گی۔

برسات کے موسم میں جب کبھی عیدین کی نمازوں کا مسقف حصہ میں ادا کرنا ضروری ہوگا تو شہر کے تمام نمازی اس مسجد میں بآسانی آجائیں گے اور ایک امام کے پیچھے سارا شہر دوگانہ ادا کر سکے گا۔

مسجد چھتہ دیوبند

یہ مسجد مسلمانوں کے ابتدائی زمانہ کی تعمیر ہے جیساکہ اس کے طرز تعمیر سے اندازہ ہوتا ہے لاکھوری اینٹوں سے بالکل سادہ بنی ہوئی ہے، اس پر نہ سرخی چونے کا پلاستر ہے اور نہ کوئی نمائشی چیز ہے، اندر دو صفوں کی جگہ ہے، اوپر تین گنبد ہیں، وہ سادہ اور بلا پلاستر کے ہیں۔

یہ دارالعلوم دیوبند کے احاطہ کے اندر آگئی ہے، دارالعلوم دیوبند اسی مسجد میں ۱۲۸۳ھ میں قائم ہوا تھا، انار کا درخت ابھی تک موجود ہے، اور ماشاء اللہ سرسبز و شاداب ہے، اکابر دارالعلوم کا عام طور پر اسی مسجد کے کمروں میں قیام رہا، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند، اولین صدر المدرسین دارالعلوم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ اسی مسجد کے شمالی کمرہ میں رہا کرتے تھے، جنوبی کمرہ میں حاجی محمد عابد دیوبندیؒ کا قیام ہوتا تھا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند قدس سرہ نے اس مسجد کے مغرب میں کافی اضافہ فرمادیا، اس حصہ میں چھ صفیں آجاتی ہیں، یہ حصہ کشادہ اور ہوادار ہے، اس حصہ کے اوپر دوسری منزل بھی بن گئی ہے، پہلی مسجد کو جوں کا توں باقی

رکھا گیا ہے، اس میں کوئی تبدیلی مناسب نہیں سمجھی گئی۔

البتہ اس مسجد کے دونوں طرف کے کمروں کو توڑ کر جدید کمرے مضبوط بنوا دیئے گئے ہیں، اور اس شمالی کمرہ پر سنگ مرمر کا کتبہ لگا دیا گیا ہے، جس پر خلوت گاہ حضرت نانوتویؒ لکھا ہوا ہے، حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور اہتمام میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی زید مجدہ صدر مفتی دارالعلوم کو حضرت نانوتوی والے کمرہ میں قیام کرا دیا تھا کہ وہاں ذکر اللہ ہوتا رہے سو بحمد اللہ جاری ہے، اب اسی مسجد میں مفتی صاحب موصوف مع اپنے متوسلین رمضان میں معتکف ہوتے ہیں، ماشاء اللہ پوری مسجد خوب بھری ہوتی ہے اور ذکر اللہ جاری رہتا ہے۔

مسجد قلعہ دیوبند

سکندر شاہ لودی جو اپنی دینداری اور علم دوستی میں شہرت رکھتے تھے، یہ مسجد ان کی ہی یادگار ہے، عام خیال ہے کہ قلعہ دیوبند کے ساتھ اس کی تعمیر عمل میں آئی تھی، مسجد کے صدر محراب میں باہر کی جانب سنگی کتبہ لگا ہوا ہے، جس میں خط نسخ میں یہ لکھا ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنا رشد ایں مسجد جامع در عہد سلطنت سلطان سکندر
شاہ بن سلطان بہلول شاہ خلد اللہ ملکہ، بجقیر مسمیٰ بکرم جہاں
فیروز ملک محمد لطف اللہ خاں افغانان
التحریر رجب المرجب من سنہ عشر و تسعمائۃ

اس کتبہ سے ظاہر ہے کہ یہ مسجد ۹۱۰ھ میں تعمیر ہوئی، اور فیروز ملک محمد لطف اللہ خاں اس کے بانی ہیں، بعد میں اضافے ہوتے رہے چنانچہ ۱۳۴۲ھ میں مسجد کے مغربی حصے میں اضافہ ہوا، اور ۱۳۵۰ھ میں صحن مسجد میں کافی اضافہ کیا گیا ہے، اس اضافہ کے بعد مسجد کافی وسیع اور کشادہ ہو گئی ہے، صحن میں وضو کے لئے حوض بھی ہے، امام و موذن کے لئے کمرے بھی بنے ہوئے ہیں۔

اس مسجد میں ایک اور کتبہ ہے، اس کی عبارت یہ ہے۔

" درجہ پیش جامع مسجد تعمیر ۶۱۶ھ معلوم می شود چنانکہ از کتبہ عربی پیشانی دروازہ کلاں ظاہر است وپس در دیوار قبلہ سہ در مفتوح کردہ در ۱۳۴۳ھ ایں درجہ جدیدہ عزیبہ کہ وسعت چہار صف متصل دارد از چندہ عوام اہل اسلام حنفی المذہب صورت تعمیر یافت "

اس کتبہ کا حاصل یہ ہے کہ پہلا اگلا درجہ ۶۱۶ھ میں بنا تھا، بعد میں ۱۳۴۳ھ میں مسلمانوں نے اس کے بعد چار صفوں کا اضافہ کیا، اور پہلے درجہ میں تین دروازے کھول کر سب کو یکساں کر دیا اور ملا دیا۔ (رسالہ برہان جون ۱۹۵۱ء)

جامع مسجد دیوبند

اس وقت یہ جامع مسجد سب سے بڑی مسجد ہے، جہاں برابر نماز جمعہ ادا ہوتی ہے، عام مسلمانوں کے چندہ سے تعمیر ہوئی ہے، مسجد کافی بلندی پر واقع ہے، پندرہ بیس سیڑھیوں کو طے کر کے صحن مسجد میں آدمی پہنچتا ہے، یہ دیوبند کے مشہور بزرگ حاجی محمد عابد صاحبؒ کے اہتمام میں تیار ہوئی، ۱۲۸۳ھ میں اس کی بنیاد ڈالی گئی، اور ۱۲۸۶ھ میں مکمل ہوئی، مولانا عبدالخالق صاحبؒ نے چندہ فراہمی میں محنت کی۔

مسجد مسقف حصے کے تین دالان یا تین درجے ہیں، ہر درجہ میں نمازیوں کی چار صفیں ہوتی ہیں، اس کے سات در ہیں، درمیانی در نسبتاً زیادہ کشادہ ہے، مسجد کی چھت پر تین خوشنما گنبد ہیں، دونوں کنارے شمال وجنوب دو بلند مینارے ہیں، جن کے اندر پیچدار زینے اوپر تک گئے ہیں، اس کے اوپر سے پورا شہر نظر آتا ہے، کہتے ہیں کہ حاجی محمد عابد صاحبؒ نے خواب میں اس جگہ کو دیکھا تھا کہ ایک شخص روپیہ لالا کر دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے یہاں مسجد بنائی جائے۔

مینارے ہشت پہل ہیں، اور اس کی چار منزلیں ہیں، اور ہر منزل میں آٹھ روشندان ہیں، مسجد کے جنوب وشمال اور مشرق میں کمرے بنے ہوئے ہیں، حاجی صاحب کی رائے اصرار کے ساتھ

یہی تھی کہ دارالعلوم جو اس وقت مدرسہ اسلامی عربی کے نام سے قائم ہوا تھا، یہیں برابر رہے۔

دارالعلوم کے الگ عمارت کے مخالف تھے، مگر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ نے نودرہ کی بنیاد کے وقت حاضر ہوکر خوشامدیں کیں اور بہت کہہ سنکر آنے اور شرکت پر راضی کیا، چنانچہ بنیاد میں حاجی صاحب نے شرکت فرمائی۔

صدر محراب پر تاریخ تعمیر اس طرح کندہ ہے۔

"مہتم تعمیر صافی ضمیر حاجی محمد عابد سلمہ ربہ، ساعی ایں مسجد فقیر عبدالخالق دیوبندی عفی عنہ،

صدق باصفا عمر عادل امور ؛ عثمان باحیا علی قاتل شرور
خواہی اگر ز سال بنا مسجد عظیم ؛ یابی مراد خود بحساب جمل غفور
۱۲۸۶ھ

(برہان دہلی جون ۱۹۵۱ء)

اس میں وقف دارالعلوم دیوبند کے نام سے ایک مدرسہ قائم ہے، اس کی وجہ سے شمالی، جنوبی اور مشرقی دالانوں پر دوسری منزلیں تعمیر ہو گئی ہیں، اور شمال وجنوب میں دو زینے بنا کر اوپر لے جائے گئے ہیں، پھر پوری مسجد اور اس کے گنبدوں اور میناروں پر ٹائل لگادیئے گئے ہیں، جس سے مسجد کی رونق دوبالا ہو گئی ہے، یہ سب حاجی محمد مستحسن مرحوم متولی مسجد کی جدوجہد اور کدوکاوش سے انجام پایا، اللہ تعالیٰ متولی صاحب مرحوم کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے۔

آدینی مسجد دیوبند

یہ مسجد طرز تعمیر میں چھتہ اور قلعہ مسجد جیسی ہے، جس سے اس کی قدامت ظاہر ہوتی ہے، مشہور یہ ہے کہ اس مسجد کی تعمیر معزالاسلام صدیقی نامی شخص نے کی، جن کا اسی محلہ میں مکان تھا، یہ مسجد، آدینہ مسجد کے نام سے مشہور رہے، آدینہ کے معنی جمعہ کے ہیں، پہلے اسی مسجد میں جمعہ کی نماز ہوتی تھی۔

۱۳۶۵ھ میں اس مسجد میں کچھ اضافہ ہوا تعمیر جدید کا کتبہ یہ ہے۔

"یہ قدیم جامع مسجد عرف مسجد آدینی ابتدائے آبادی قصبہ دیوبند سے قائم ہے، ۱۳۶۵ھ میں مزید اضافہ ہوا"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مسجد ساتویں آٹھویں صدی ہجری کی ہے۔ (برہان دہلی جون ۱۹۵۱ء)

مسجد خانقاہ دیوبند

محلہ خانقاہ کی یہ مسجد ۹۶۵ھ کی تعمیر کردہ ہے، یہ محلہ شہر کے بالکل کنارہ میں ہے، سنگ سرخ کا کتبہ لگا ہوا ہے، اس کا کتبہ یہ ہے۔

"بنا شد ایں مسجد در عہد سلطان السلاطین نور حدقہ شہریاری، مہر سپہر سلطنت و کامگاری شہنشاہ عادل ابو المظفر محمد جلال الدین اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ،

بسعی اہتمام فقیر حقیر مرزا بیگ بن خواجہ علی محب بخشی شہر صفر سنہ نہصد و شصت و پنج از ہجرت"

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے بانی مرزا بیگ ہیں، یہ اکبر کا سنہ جلوس ثالث تھا، یہ مسجد آباد ہے۔ (برہان دہلی جون ۱۹۵۸ء)

۱۴۱۰ھ میں مولانا نیاز الدین اصلاحی جونپوری کی جدوجہد اور اہل محلہ کی توجہ سے پورب جانب مسجد میں ایک کشادہ دالان کا اضافہ ہوا ہے، جس میں چار صفیں آتی ہیں، گویا اندروں مسجد کا دوگونہ ہے، اسی اعتبار سے اس کے صحن میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

پیر والی مسجد تھانہ بھون

پیر محمد صاحب ایک بزرگ تھے، مشہور ہے کہ پہلے پہل انھوں نے ہی یہ مسجد بنائی تھی، مگر انھوں نے خام تیار کی تھی، پھر بعہد عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ شیخ احمد فاروقی نے ۱۱۴۰ھ میں کچی مسجد کو پختہ عمارت میں تبدیل کر دیا چنانچہ اسکی پیشانی پر سنگ مرمر پہ یہ تاریخی شعر کندہ ہے۔

بعہد شاہ عالمگیر احمد شیخ مسجد ساخت
اگر پرسند تاریخش، بگو عاکف کہ احمد ساخت
۱۱۴۰ھ

یہ مسجد ہر دور میں اہل علم اور اللہ والوں کی مرکز رہی، سب سے پہلے بانی مسجد بزرگ پیر محمد صاحب مقیم رہے، پھر قاضی محمد اعلیٰ تھانوی مصنف "کشاف اصطلاحات الفنون" قیام پذیر رہے، یہ ۱۱۵۰ھ کی بات ہے، یہ بڑے جید الاستعداد عالم دین تھے، اسی طرح کمال باطنی کے بھی مالک تھے، آپ کی قبر اس مسجد کے احاطہ میں جانب جنوب چبوترہ پر واقع ہے، اسی کے ساتھ آپ کو دنیوی وجاہت بھی حاصل تھی، آپ عدالت شریعت کے حاکم تھے، ان کی مہر میں کندہ تھا "خادم شرع والاقاضی محمد اعلیٰ" ان کے بعد مفتی الٰہی بخش قدس سرہ مصنف اختتام مثنوی مولانا روم، مدت تک اس مقام پر طالبین کی ظاہری و باطنی تکمیل فرماتے رہے۔

آپ کے بعد مہاجر مکی حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی ثم المکی کا قیام رہا

اور آپ کے اخوان طریقت مولانا شیخ محمد محدث تھانوی اور حافظ محمد ضامن شہید بھی یہیں قیام پذیر رہے، اور اس طرح یہ مسجد تزکیہ باطنی کا مرکز بن گئی، ان حضرات سے ایک عالم مستفید ہوا، حضرت حاجی صاحب کی وجہ سے بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور سرپرست دار العلوم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اولین صدر المدرسین دار العلوم اور دوسرے اکابر یہاں آتے جاتے رہے اور قیام فرماتے رہے، جس کی وجہ سے یہ مسجد "دوکان معرفت" کے نام سے مشہور ہوئی، اس مسجد میں جانب جنوب ایک سہ دری ہے، جہاں حضرت حاجی صاحب کا قیام تھا، وہ حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی کے ایمار سے ایک زمیندار خاندان نے بنوائی۔

۱۲۷۶ھ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ ہجرت فرما گئے، اور حضرت حافظ محمد ضامن شاملی کے میدان میں شہید ہو گئے، تو کچھ مدت تک یہ مسجد ویران سی رہی، لیکن پھر یہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا، اور مدرسہ دینی قائم ہوا، اور اس کی آبادی کے لئے مولانا عبد اللہ انبٹھوی نے توجہ فرمائی، اور ۱۳۰۱ھ میں اس مسجد کے آگے پیچھے دو چھدرے بنوا دیئے گئے اور بہت سے کمرے بنے، چنانچہ اس مدرسہ میں بہت سارے علماء وقتاً فوقتاً مدرس ہوئے، پھر کچھ وجوہ سے کچھ دنوں کے لئے ویرانی سی ہو گئی تھی کہ قدرت نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو بھیج دیا۔ اور آپ نے کانپور چھوڑ کر یہاں مستقل اقامت اختیار فرمائی۔

آپ نے مسجد و مدرسہ کی مرمت کی طرف توجہ فرمائی، جس سے رونق دوبالا ہوکر لوٹ آئی، اور اہل دل دور دراز سے کھنچ کھنچ کر آنے لگے، اور بہت سارے حجرے بنے، حوض بنا، حوض کا سنہ تکمیل ۱۳۱۸ھ ہے، حضرت تھانویؒ نے یہیں بیٹھ کر ہزاروں کتابیں تصنیف فرمائیں، مدرسہ سے سیکڑوں نے استفادہ کیا۔

۱۳۶۲ھ میں حضرت تھانویؒ کا جب وصال ہوگیا تو تدریجاً وہ رونق کم ہوتی چلی گئی، دور دراز سے لوگ اب بھی چل کر اس مسجد کو دیکھنے آتے ہیں اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ (ظل صفہ)

اس مسجد کے جنوب میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی سہ دری ہے، اور حافظ محمد ضامن شہید رحمہما اللہ کے حجرے ہیں، شمال میں مدرسہ اور ذاکرین کے حجرے وغیرہ پھیلے ہوئے ہیں۔

بحمد اللہ اس وقت بھی اس میں مدرسہ امداد العلوم قائم ہے، اور طلبہ و علماء مقیم ہیں۔

پتھر کی مسجد پٹنہ

نظر بہادر خویشگی عہد شاہجہانی کا ایک امیر کبیر رئیس گذرا ہے، اس کا تذکرہ شاہجہاں نامہ حصہ اول صفحہ ۵۸ اور جلد دوم صفحہ ۱۰۴، صفحہ ۱۳۳ اور صفحہ ۳۴ میں موجود ہے، اسی نظر بہادر خویشگی نے شاہزادہ پرویز کے عہد حکومت میں قلعہ مجھولی فتح کیا تھا، اور اس کی یاد میں اس نے یہ مسجد بنوائی تھی، جو شہر پٹنہ محلہ سلطان گنج و عالم گنج کے درمیان سڑک سے اُتر جانب "پتھر کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے، اور اب اسی نام سے پورا محلہ جانا جاتا ہے۔

بعض مصنفین نے اس مسجد کا بانی خاص شاہزادہ پرویز کو قرار دیا ہے، لیکن مسجد کا کتبہ جو اب بھی موجود ہے، اس کی تصدیق نہیں کرتا ہے، اس کتبہ مسجد میں بانی کی حیثیت سے نظر بہادر خویشگی کا نام درج ہے، وہ مصرع یہ ہے۔

کرد ایں بنائے خاص نظر خویشگی کہ ہست

پورا کتبہ اس طرح ہے۔

در عہد نور چشم جہانگیر بادشاہ ÷ پرویز شاہ عادل و باذل بعقل و رائے
کیخسروے زمانہ، و جمشید سلطنت ÷ بر تخت مملکت چو سکندر جہاں کشائے
کرد ایں بنائے خاص نظر خویشگی کہ ہست ÷ در پیروی شرع محمد چوں کوہ پائے

کردم سوال سال بنایش زِ پیر عقل ؛ گفتا بگو خرامی خیر المقام جائے
۱۰۳۶ھ

یہ مسجد ۱۰۳۶ھ میں بن کر تیار ہوئی تھی ، اس کا کتبہ شاہزادہ پرویز کے انتقال کے بعد لگایا گیا ہے ، کیونکہ اس کا انتقال ۱۰۳۵ھ میں برہان پور کی طرف ہوا تھا۔ "وفات شاہزادہ پرویز" اس کی وفات کی تاریخ ہے ، اس شاہزادہ نے ۱۰۳۰ھ سے ۱۰۳۴ھ تک پانچ سال حکومت کی۔ (تاریخ نگدھ صفحہ ۲۴۰)

سیف خاں کی مسجد پٹنہ

سیف خاں ۱۰۳۷ھ میں صوبہ بہار کا حاکم بن کر آیا، اور پٹنہ میں قیام کیا، اس نے یہاں عظیم آباد، میں جو اب پٹنہ کے نام سے مشہور ہے بڑے کروفر سے حکمرانی کی، اور اپنے دور حکومت میں بہت سے رفاہ عام کے کام کیے۔

شاہجہاں بادشاہ کی بیوی ممتاز محل کی بہن بانو نامی اسکی زوجیت میں تھی، اس رشتہ سے یہ شاہجہاں بادشاہ کا ہمزلف تھا، اس سے اس کی عظمت اور بھی تھی۔

سیف خاں نے جہاں دوسرے بہت سارے عوامی رفاہ عام کے کام انجام دیئے، ان میں ایک نمایاں خدمت اس کی ایک بڑی عیدگاہ اور ایک مسجد و مدرسہ بھی ہے، یہ عیدگاہ محلہ صادق پور سے اتر پچھم اب تک قائم ہے اور چوک سے پورب لب دریائے گنگا مدرسہ اور مسجد کی تعمیر عمل میں آئی، مدرسہ مرحوم کا اس وقت کوئی نشان باقی نہیں ہے البتہ اس محلہ کا نام مدرسہ ہے جس کی وجہ سے اس کی یاد باقی ہے البتہ مسجد گنگا کنارے اب بھی موجود ہے، اس کی شاندار اور عظیم الشان عمارت بانی کی یاد تازہ کر رہی ہے، اور اپنے زمانہ کی یادیں مرثیہ خواں ہے، یہ مسجد بہت ہی پرفضا مقام پر واقع ہے یہاں کھڑے دریائے گنگا کی موجوں کو بل کھاتے ہوئے دیکھ

سکتے ہیں ۔ (تاریخ نگدھ ص ۲۴۵)

یہ مسجد بہت طویل و عریض اور خوشنما ہے، اب اس کے آس پاس آبادی تقریباً نہیں ہے، سامنے کھلا ہوا میدان ہے مسجد ویران سی ہے، کوئی چہل پہل نہیں، سیاح کے علاوہ کوئی پابندی سے نماز پڑھنے والا بھی نظر نہیں آتا، مسجد کے دکھن بازو پر ایک کنواں ہے، جو مسجد کے ہی مصرف کے لئے بنوایا گیا ہوگا، ۱۹۸۰ء میں خاکسار نے اس کی زیارت کی تھی ۔

مسجد فخرالدولہ پٹنہ

پٹنہ شہر میں ایک مسجد فخرالدولہ مسجد کے نام سے مشہور ہے، لیکن اس مسجد کو اس فخرالدولہ سے کوئی تعلق نہیں ہے جو کبھی یہاں کا صوبہ دار تھا، بلکہ یہ مسجد فخرالدولہ کے انتقال کے ساٹھ برس بعد ایک بیگم صاحبہ نے ۱۲۰۲ھ میں تعمیر کرائی تھی، اس مسجد کی تولیت نواب مرشد آباد کے خاندان میں تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہی متولیوں میں سے کسی کا نام فخرالدولہ رہا ہوگا، لوگ اس کی طرف منسوب کرکے فخرالدولہ مسجد کہنے لگے ہوں۔

فخرالدولہ جو بہار کے صوبہ دار تھے، انھوں نے ۱۱۳۷ھ سے ۱۱۴۲ھ تک صوبہ داری کے فرائض انجام دیتے رہے، اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا تھا، اور یہ مسجد ۱۲۰۲ھ میں تیار ہوئی ہے۔

(تاریخ مگدھ ص۲۹۸)

مسجد بزرگ امید خاں پٹنہ

بزرگ امید خاں کا انتقال ۱۱۰۶ھ میں ہوا ہے، پٹنہ میں انھوں نے مسجد بنوائی تھی، جو ان کے نام سے موسوم چلی آرہی ہے، یہ مسجد محلہ سمبلی کے قریب سڑک کے دکھن جانب موجود ہے، اور اپنے بانی کے نام کو زندہ رکھے ہوئی ہے۔

اس مسجد کی تعمیر ۱۱۰۰ھ میں ہوئی، مسجد کے کتبہ میں بانی مسجد کا نام موجود ہے، محلہ والوں کا بیان ہے کہ مسجد سے کچھ فاصلہ بر جانب مشرق جو پختہ قبریں ہیں، ان قبروں میں ہی بانی مسجد کی قبر بھی ہے، لیکن قبر پر کتبہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی تعیین بہت مشکل ہے۔

مسجد کا کتبہ موجود ہے، جس سے مسجد کی تعمیر کا سنہ نکلتا ہے، وہ قطعہ یہ ہے۔

تاج والحشمت بزرگ امید خاں ؛ آنکہ بر خلق خدا، کرمش عمیم

چو ز ہاتف خواست تاریخش بخف ؛ زود گفت باد بیت المستقیم ۱۱۰۰ھ

بزرگ امید خاں ۱۰۹۴ھ سے ۱۱۰۵ھ تک عہدہ صوبہ داری پر قائم رہے۔ (تاریخ مگدھ ص ۲۸۳)

جامع مسجد خانقاہ رحمانی مونگیر

مونگیر صوبہ بہار کا مشہور شہر ہے، اس شہر میں متعدد مسجدیں ہیں، ان میں سب سے قدیم خانقاہ رحمانی کی مسجد ہے، جسے حکیم احمد اللہ خاں صاحب کے والد بزرگوار جناب امام خاں صاحب نے ۱۲۴۴ھ میں بنوائی تھی، یہ زمانہ ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے کا ہے، پھر اسی مسجد سے متصل حکیم احمد اللہ خاں نے قطب الارشاد حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ قدس سرہ کے لئے حجرے بنوائے، اور یہیں آپ کی خانقاہ رحمانی قائم ہوئی، یہاں بیٹھ کر حضرت مونگیریؒ نے علمی، دینی اور اصلاحی بیش بہا خدمات انجام دیں، قادیانی فتنہ کی سرکوبی کی، عیسائیت کے خلاف سو سے زیادہ کتابیں لکھ کر شائع کرائیں، اور مختلف فتنوں کا پامردی سے مقابلہ کیا، اور بہار کے مسلمانوں کو نت نئے فتنوں سے محفوظ رکھا، ہزاروں مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور اس طرح صالحین کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی۔

پھر حضرت مونگیریؒ نے اس خانقاہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا، مسجد کے اردگرد طلبہ کے لئے کمرے بنوائے، جن میں طلبہ اور مسترشدین رہا کرتے تھے، اور مسجد قال اللہ اور قال الرسول اور ذکر اللہ سے گونجتی رہتی تھی۔

جب خانقاہ اور مدرسہ رحمانی کی آبادی میں کافی اضافہ ہوگیا، اور

مسجد تنگ ہو گئی، تو موجودہ امیر شریعت بہار و اڑیسہ اور سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی دامت برکاتہم نے ایک سو اکتالیس سال کے بعد ضرورت محسوس فرمائی کہ مسجد کی توسیع کی جائے، مگر انجینیروں کے مشورے سے طے پایا کہ قدیم مسجد کو شہید کر دیا جائے، پھر نئی مسجد میں اس پورے حصہ کو لے لیا جائے، چنانچہ ۱۳۸۵ھ میں قدیم مسجد شہید کی گئی، اور نئی مسجد کی اس طرح بنیاد ڈالی گئی کہ قدیم مسجد کا پورا حصہ اس میں آ گیا، چنانچہ ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء میں یہ نئی مسجد بن کر تیار ہو گئی۔

مسجد کافی کشادہ، وسیع اور خوب صورت بنی، اور نئے طرز کی تیار ہوئی، یہ مسجد دو منزلہ بلکہ ڈیڑھ منزلہ ہے یعنی دوسری منزل کے تین طرف چھت ڈالی گئی، اور اگلا حصہ بالکل کھلا رکھا گیا، بالائی منزل پر جو لوگ نماز کے لئے آتے ہیں وہ امام کو خطبہ دیتے ہوئے بخوبی دیکھتے ہیں۔

اس نئی مسجد کا طول پورب پچھم انہتر فٹ ہے اور عرض دکھن اتر بینتالیس فٹ ہے، اس مسجد کے اندرونی حصہ میں نیچے سترہ صفیں ہیں اور اوپر بالائی منزل پر پانچ صفیں ہیں، بالائی جنوب و شمال والے حصہ میں دو دو آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

مسجد کے آگے پورب کی طرف کشادہ صحن بھی ہے، جس میں آٹھ دس صفیں ہو سکتی ہیں صحن سے متصل جانب شرق میں مسجد کا کشادہ بڑا حوض ہے، جس کے چاروں طرف بیٹھ کر نمازی وضو کرتے ہیں، اس حوض کے اوپر خانقاہ کا عظیم الشان کتب خانہ ہے، جو کئی ہزار کتابوں پر مشتمل ہے، اس کتب خانہ میں عربی، فارسی اور اردو وغیرہ کی منتخب کتابیں ہیں، اور اکثر و بیشتر نایاب ہیں، کتب خانہ کے اندرونی حصہ

میں کشادہ ہال ہے، جہاں بیٹھ کر علماء اور طلبہ مطالعہ کر سکتے ہیں، اور بسا اوقات اس ہال میں علمی و دینی مجمع اور جلسہ بھی ہوا کرتا ہے، یہ سب موجودہ سجادہ نشیں حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی محنتوں کا ثمرہ ہے، پرانے قدیم کمروں کی جگہ اب جدید کمرے لے چکے ہیں، اور ماشاء اللہ یہ حصہ بھی دو منزلہ ہے، جس سے مسجد کی رونق دوبالا ہو گئی ہے، خانقاہ کے گیٹ دکھن سڑک کی دوسری طرف جامعہ رحمانی کی سہ منزلہ شاندار اور خوب صورت عمارت ہے، جہاں دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی ہے، اس جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ اسی مسجد میں باجماعت پنجوقتہ نمازیں ادا کرتے ہیں، اور نماز جمعہ بھی۔

سنگی مسجد حاجی پور

صوبہ بہار میں حاجی پور مشہور جگہ ہے، اس نام سے این، ای ریلوے کا اسٹیشن بھی ہے، یہاں ایک قدیم مسجد ہے، جو ۱۰۴۵ھ کی تعمیر کردہ ہے کتبہ سنسکرت میں ہے، یہ شاہجہاں بادشاہ کے عہد کی بنی ہوئی ہے، غالباً بانی کا نام مقصود خاں تھا جیسا کہ کتبہ سے اندازہ ہوتا ہے۔

(آئینہ ترہت ص ۱۴۶)

لیکن حاجی پور کی تاریخ میں بتایا گیا ہے کہ اس مسجد کا بانی مخصوص خاں تھا۔ وہ لکھتا ہے۔

"اکبر بادشاہ کے وقت میں مخصوص خاں ملتان سے بدل کر بہار آیا تھا، اس نے یہ مسجد بنوائی، اس وقت اس علاقہ کا نام مخصوص پور تھا"

ایک مضمون نگار نے بھی لکھا ہے۔

"حاجی پور میں سنگی مسجد شاہی یادگار ہے، ۱۹۸۸ء کے زلزلہ میں اس مسجد کو کافی نقصان پہنچا، ایک ہندو مجسٹریٹ کی توجہ سے اس مسجد کی مرمت ہو رہی ہے"

پہلے اس مسجد میں مسلمان صرف عیدین کی نمازیں ادا کیا کرتے تھے مگر گذشتہ چند سالوں سے پنجوقتہ نمازوں کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا ہے

اس میں مسٹر زبیر احمد صاحب سابق ڈی، اے، سی کی کوششوں کو بڑا دخل ہے، جو لوگ غلط طور پر قابض تھے سبھوں کو یہاں سے نکال باہر کیا گیا، مسجد کے ہر طرف غیر مسلموں کی اس وقت آبادی ہے فی الحال بھی مسجد کا رقبہ دو تین ایکڑ سے کم نہیں ہے، مسلمان اس جگہ سے اچھے کام لے سکتے ہیں، مثلاً دینی مدرسہ قائم کر دیا جائے، تاکہ مسجد بھی آباد ہو جائے اور اس کی حفاظت وصفائی بھی عمدہ طور پر ہوتی رہے یہ سنگی مسجد حاجی پور کے بانی حاجی شمس الدین بن محمد الیاس کے مزار کے قریب ہے اور دریائے گنڈک سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔

شاہی مسجد مکندر پور چک نعمت (مہوا)

یہ مسجد بھی عہد شاہجہاں کی بنی ہوئی ہے، اور مغلیہ طرز تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے، اس کی چھت تین گنبدوں کی بنی ہوئی ہے ۱۹۳۴ء کے زلزلہ سے اس مسجد کو کافی نقصان پہنچا تھا، لیکن عظیم آباد کے رئیس حاجی سید علی اشرف عرف پیارے صاحب نے پندرہ سو روپے لگا کر ایک مسلمان کے ذریعہ مرمت کرادی تھی۔

یہ مسجد حضرت شاہ نعمت اللہ زاہدی کے مزار کے پاس واقع ہے، حال ہی میں اس کے متولی منصور عالم صاحب نے اس مسجد کے لئے سائبان تعمیر کرادیا ہے، تاکہ نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جو تنگی ہوا کرتی تھی، وہ باقی نہ رہے، اور نمازیوں کو راحت ملے۔

(حق الیقین ص۱۳۳)

مسجد آدینہ بنگال

ضلع مالدہ (بنگال) میں یہ آدینہ مسجد واقع ہے، اسی مسجد کے نام پر وہاں کے قریبی ریلوے اسٹیشن کا نام بھی آدینہ ہے، سکندر بن الیاس شاہ نے ۷۵۹ھ / ۱۳۵۸ء میں بنگال میں بہت سی نادر روزگار عمارتیں بنوائی تھیں، انہی عالیشان عمارتوں میں ایک آدینہ مسجد بھی ہے، جس کے آثار اب تک باقی ہیں، مسلمان سلاطین کے عہد حکومت کی اس مسجد کو ایک یادگار کہا جائے گا، کیونکہ اس زمانہ کی عمدہ ترین عمارتوں میں اس مسجد کا شمار ہوتا ہے۔

اس مسجد کا طول پانچ سو فٹ اور عرض دو سو پچاسی فٹ ہے، اس مسجد کی چھت کو تین سو چھ گنبدوں سے آراستہ کیا گیا تھا اس پر جو کتبہ لگا ہوا ہے، اس سے اس کی تعمیر کا سنہ ۷۷۶ھ معلوم ہوتا ہے، یعنی اس سال یہ بن کر تیار ہوئی تھی، مسجد مستطیل ہے۔

مسجد کے ایک حصہ میں کھلا ہوا وسیع میدان ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہاں بادشاہ کا تخت تھا، کوئی شبہ نہیں کہ سلاطین کی یہ نشانیاں ان کی یاد تازہ کرتی ہیں، اور کھوئی ہوئی عظمت کی نشان دہی کرتی ہیں، اور غافل مسلمانوں کو بیدار کرتی ہیں۔

(تاریخ مگدھ از فصیح الدین بلخی ص۱۴۵)

مکہ مسجد حیدر آباد

اس مسجد مکہ کی تعمیر ۱۰۲۳ھ میں محمد قطب شاہ نے شروع کی تھی۔ نقش ونگار والے پتھروں سے بنائی گئی ہے، اس پر بیس ہزار ہُن صرف ہوئے، اس زمانہ کا یہ معروف سکّہ تھا، اس مسجد کا نام "بیت عتیق" تجویز ہوا، لیکن یہ مسجد قطب شاہ کی زندگی میں مکمل نہ ہوسکی تھی، ان کے انتقال کے بعد عبداللہ قطب شاہ نے اس کی تعمیر وتکمیل پر خصوصی توجہ دی عبداللہ کے بعد ابوالحسن تاناشاہ نے تکمیل کی سعی کی، بالآخر عالمگیر رحمۃ اللہ نے ۱۰۹۸ھ میں اس کو مکمل کرایا، اور انھوں نے ہی اس مسجد کا نام "مکہ مسجد" تجویز فرمایا۔

اس کی لمبائی ستّر ہاتھ ہے اور عرض ۳۴ ہاتھ، اور اس کی بلندی ۹۴ ہاتھ ہے، جیساکہ حدیقۃ العالم میں درج ہے۔

(ہندوستان عہد اسلامی میں ص۱۴۲)

اس مسجد کے شمال میں مسجد سے باہر مگر متصل کچھ قبریں ہیں۔

مسجد شاہ گنج اورنگ آباد

اورنگ آباد میں سب سے وسیع اور عمدہ شاہ گنج بازار ہے جو ایک کھلے میدان میں واقع ہے یہیں وہ مسجد ہے، جو اپنی خوشنمائی میں ہندوستان کی مشہور عمارتوں میں گنی جاتی ہے۔

سید علی حسن خاں صوبہ دار کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ پہلے حوض بنانے کا کام اس نے شروع کیا تھا، نواب عضد الدولہ عوض جنگ نے اسے وسیع کیا اور مسجد سے متعلقہ عمارت بنوائیں، یہ حوض اس قدر وسیع و عمیق ہے کہ گرمیوں میں جب ہر جگہ پانی کی قلت ہوتی ہے یہ حوض اس وقت بھی پانی سے بھرا رہتا ہے۔

اس مسجد کی کرسی کافی بلند ہے، اس مسجد کے تین طرف دکانیں ہیں اور ایک طرف مسجد میں جانے کے لئے سیڑھیاں ہیں۔ مسجد کے پانچ در ہیں اور اندرون مسجد چوبیس ستون ہیں، ایک بڑا گنبد ہے اور چھوٹے گنبد متعدد ہیں، دونوں کناروں میں دو مینار ہیں، صحن میں دو حوض ہیں اور صدر گیٹ پر بھی دو مینار بنے ہوئے ہیں، یہ مسجد ۱۱۳۶ھ ۱۷۲۰ء میں بنی ہے، مسافروں کے لئے مسافرخانہ بھی مسجد سے ملا ہوا بنایا گیا ہے۔

جامع مسجد برہانپور

اس جامع مسجد برہانپور کو عادل شاہ بن مبارک فاروقی نے ۹۷۰ھ میں بنایا تھا، تعمیر میں نقش ونگار والے پتھر لگائے گئے تھے۔ یہ مسجد بھی ہندوستان کی حسین ترین مسجدوں میں داخل ہے، اس مسجد کی لمبائی ۱۴۸ فٹ اور چوڑائی ۵۲ فٹ ہے، اس کی چھت زمین سے ۱۵ فٹ بلند ہے اور ستر ستونوں پر قائم ہے، یہ سارے ستون چوکور ہیں، زیادہ ستون مسلّم پتھروں کو تراش وخراش کر بنائے گئے ہیں، اور جہاں جہاں دو پتھروں کو جوڑا گیا ہے ان میں ذرا سا بھی شگاف ظاہر نہیں ہوتا ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے ایک ہی پتھر ہے، پایوں اور ستونوں میں بڑی صفائی وپاکیزگی ہے۔ (ہندوستان عہد اسلامی میں ۱۸۱)

مسجد کی چھت پر گنبد نہیں ہے، پوری چھت برابر سپاٹ ہے نیچے محرابیں ہیں، پوری مسجد میں کوئی سوراخ یا ایسا خلا نہیں ہے جہاں پرندے اپنا گھونسلہ بنا سکیں، اس کے دونوں کناروں پر دو مینار ہیں، جن کی بلندی ۱۲۵ فٹ ہے، یہ مینار شہر کے باہر سے ہی نظر آنے لگتے ہیں، چھت پر جانے کیلئے زینے بھی بنے ہوئے ہیں۔

اس مسجد کا صحن بہت وسیع اور کشادہ ہے، ایک سو ساٹھ فٹ لمبا ہے، اس صحن میں پانچ ہزار نمازی بیک وقت نماز ادا

کر سکتے ہیں۔ (معارف اعظم گڈھ اپریل ۱۹۶۴ء)

اس مسجد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس پر عربی، فارسی اور سنسکرت تین زبانوں میں کتبے ہیں، اس کے بانی عادل شاہ ۹۸۴ھ میں تخت نشیں ہوئے تھے، اور اس نے ۱۰۰۵ھ میں وفات پائی تھی۔

صاحب مآثر رحیمی لکھتا ہے۔

"مسجد جامع ایں شہر عمارتے است عالی وبنائے متعالی واز آثار عجیبہ وغریبہ کہ دریں ولایت ہست بہتر ازیں عالی بنا چیزے نیست" (ص ۶۰۲/۲۶)

خافی خاں کا بیان ہے۔

"بہ خوبی برہانپور، مسجد برہانپور، سرائے مسجد شاہجہاں آباد کمتر مسجد بہ نظر آمدہ" (منتخب اللباب ص ۴۳۲/۳۶)

تاریخ آغاز تعمیر مسجد اور اختتام اس مصرع سے نکلتی ہے، جو اس وقت کہی گئی تھی۔

مسجد فیض بنا گشت بہ فیض عادل
۹۹۷ ۱۰۰۲

جامع مسجد منڈو

اسے محمود شاہ نے منڈو میں منقش پتھروں سے تعمیر کیا تھا، اس کی عمارت خوب صورت اور شاندار تھی، اس مسجد کی عمارت جہانگیر کو پسند آئی، چنانچہ انھوں نے اس مسجد کا اپنی توزک جہانگیری میں تذکرہ کیا ہے، ہوشنگ شاہ نے اس کی بنیاد رکھی تھی، اور اس کے بیٹے محمود نے اس کی تکمیل کی۔ (ہندوستان عہد اسلامی میں ص۱۴۲)

یہ مسجد پندرھویں عیسوی کے وسط میں بنی، اس کا بڑا دروازہ مشرق کی طرف ہے جو میدان سے ۵۵ فٹ آگے نکلا ہوا ہے، اس مسجد کی کرسی بہت اونچی ہے، زینوں کی وجہ سے دروازہ کی ایک شان پیدا ہو گئی ہے ـــ

"مسجد کے صحن میں تین طرف ایوان (دالان) ہیں، مسجد کا اندرونی حصہ ۲۶۸ فٹ لمبا اور ۸۲ فٹ چوڑا ہے، اس کو پایوں کے قطاروں نے کئی حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، اس کی چھت ۵۸ گنبدوں پر مشتمل ہے، مگر مرکزی حیثیت تین ایوانوں اور ان کے گنبدوں کو حاصل ہے"

(ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں کے تمدنی کارنامے ص۱۵)

جامع مسجد احمد آباد

یہ مسجد بانی شہر سلطان احمد کی تعمیر کردہ ہے، یہ ۱۴۳۲ء میں تعمیر ہوئی اندر مسجد کے تین در ہیں، مسجد کے دونوں طرف بازار ہیں، اور مشرق ھ کے سامنے ایک مقبرہ ہے، سلطان احمد ان کے صاجزادے سلطان محمد اور بانی شہر کے پوتے قطب الدین تینوں باپ بیٹا اور پوتا کی قبریں اسی مقبرہ میں ہیں۔

اس مسجد کا صحن کافی کشادہ اور وسیع ہے، اس کا طول ایک سو تین گز ہے، اور اس کی چوڑائی ننانوے گز ہے، اس کے صحن کے گرداگرد ساڑھے چار گز چوڑے دالان بنے ہوئے ہیں، جن کے ستون سنگ سرخ کے ہیں، اس مسجد کا فرش تراشے ہوئے نفیس پتھروں سے تیار کیا گیا ہے، صرف اندرونی دالان میں ۵۴ استون ہیں، اور ان کے اوپر گنبد ہیں، گنبدوں کی تعداد پندرہ ہے، اس اندرونی دالان کی لمبائی ۵۷ گز ہے اور چوڑائی ۳۷ گز ہے۔

اس جامع مسجد احمد آباد کے فرش، اس کی محرابیں اور منبر سب کے سب سنگ مرمر کے ہیں، اور اس کے دونوں طرف پیش طاق دو مینار ہیں، جو تراشیدہ پتھروں سے بنائے گئے ہیں، ہر مینار پر تین تین گنبد ہیں، جن پر دلآویز و خوشنما نقش و نگار ہیں۔

مسجد کے منبر کی دائیں طرف مگر اس سے الگ ایک شاہ نشیں بنا ہوا ہے، جس کے آگے سنگ مرمر کی جالیاں بنی ہوئی ہیں جمعہ اور عیدین میں جب کبھی بادشاہ نماز کے لئے آتے ہیں تو یہ اپنے مصاحبین کے ساتھ اسی شہ نشیں میں نماز ادا کرتے ہیں، اس جگہ کو وہاں والے "ملوک خانہ" کہتے ہیں، بلا شبہ یہ مسجد بہترین عمارتوں میں داخل ہے ہندوستان گائڈ میں لکھا ہے کہ یہ مسجد ۱۴۳۲ء میں تعمیر ہوئی، اور اس میں کل ستون ۳۵۰ ہیں۔ (تزک جہانگیری ترجمہ ص ۱۵۶، ۱۵۷ مطبوعہ نظامی کانپور و ہندوستان گائڈ ص)

ایک صاحب نے لکھا ہے۔

"احمد آباد کی جامع مسجد مغربی ہندوستان میں اپنی قسم کی بہترین عمارت مانی جاتی ہے ..... اس مسجد میں روشنی پہنچانے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ خود بہت سبق آموز ہے" (تمدنی جلوے ص۱۷)

رانی سپری کی مسجد احمد آباد

اس مسجد کو سلطان محمود بیگڑھ کی بیوہ نے ۱۵۱۴ء میں بنایا تھا، یہ اپنی وضع کی بہت خوبصورت مسجد ہے، یہ مسجد احمد آباد کا موتی کہلاتی ہے۔ (ہندوستان گائڈ ص)

شیدی سعید کی مسجد احمد آباد

شیدی سعید ایک صالح آدمی تھا، جو سلطان محمود کا بہت مقرب تھا اس کی بدولت وہ بڑے عہدے پر فائز ہوا، اس کا سب سے پسندیدہ کام اپنے پیسوں سے غریبوں کا گھر بنواتا تھا، حاجتمندوں کو روزینے دینا اور عام لوگوں کے لئے لنگر خانہ کھول کر کھانا کھلاتا تھا۔

اسی شیدی سعید نے ۹۸۰ھ ۱۵۷۲ء میں یہ مسجد تعمیر کرائی تھی، یہ مسجد قلعہ سے کچھ ہی فاصلہ پر لال دروازہ سے متصل واقع ہے، اس کا طول ۶۸ فٹ ہے اور عرض ۳۷ فٹ، عمارت کوئی خاص نہیں ہے، مگر اس کی جالیاں اتنی خوبصورت وخوشنما ہیں کہ ساری دنیا میں اس کی تعریف ہوئی، لکھا ہے کہ

"زینہ کی دیواروں پر نقش ونگار بنا ہوا ہے، ساری دنیا میں اس کی شہرت کا سبب اس کی حسین وجمیل جالیاں ہیں، جن کی کہیں مثال نہیں ہے، بعض جالیوں پر درخت اور پتیوں کی تصویریں ہیں، جو بہت خوبصورت اور نادر ہیں، اور احمد آباد اور گجرات آثار قدیمہ کے لئے باعث زینت ہیں، یہ درخت اور پتیاں اس تناسب اور خوبی کے ساتھ نقش کی گئی ہیں کہ ایک چھوٹے سے

باغ کا منظر بن گیا ہے، اور ناریل کے درختوں کی پتیاں
اس نزاکت سے بنائی گئی ہیں کہ انسان اسے دیکھ کر
انگشت بدنداں رہ جاتا ہے" (گجرات کی تمدنی تاریخ ط۱۶۱)

مصنف "گجرات کی تمدنی تاریخ" نے مختلف ملکوں کے سیاحوں کے اقوال نقل کئے ہیں، سبھوں کا اتفاق ہے کہ اس کی جالیوں میں پھول، پھل، درخت اور بیل کا جیسا خوب صورت نقش و نگار کسی دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آیا، یہ مصنوعی نہیں، بلکہ اصلی معلوم ہوتا ہے مرہٹوں کے حملہ کے زمانہ میں دوسری عمارتوں کو نقصان پہنچا، مگر خوش قسمتی سے اصل مسجد بچ گئی۔

شیدی سعید کا ۳/ شوال ۹۸۴ھ مطابق ۲۴/ دسمبر ۱۵۷۶ء دوشنبہ کے دن احمد آباد میں انتقال ہوگیا، اور اسی مسجد میں جو اس نے بنوائی تھی دفن کیا گیا۔

اچانک انتقال کی وجہ سے جالیوں کا کام مکمل نہیں کرسکا، لکھا ہے کہ مرہٹوں اور انگریزوں کے ابتدائی عہد میں اس مسجد کا حال خراب ہوگیا تھا، انگریزوں نے اس میں عدالت قائم کردی تھی اور عرصہ تک مسجد اسی حالت میں رہی۔

لارڈ کرزن جب ہندوستان کا وائسرائے بن کر آیا، تو اس کو چونکہ آثار قدیمہ سے بڑی دلچسپی تھی، اس نے آثار قدیمہ کے نام ایک مستقل شعبہ قائم کیا، اور اس قانون کی رو سے یہ مسجد بھی عدالت اور دفتر سے خالی کی گئی اور حفاظت کا باضابطہ سرکاری انتظام کیا گیا اور مسجد اپنی اصلی صورت میں آئی۔

چند سال پہلے سنّی وقف بورڈ نے اس مسجد کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور اس نے حوض، پانی اور روشنی کا انتظام کر دیا ہے، اب پانچوں وقت باجماعت نماز ہونے لگی ہے۔

مسجد کی تاریخ کہی گئی ہے، اس کا آخری شعر یہ ہے۔

عمر الجامع للہ ٭ عامر جار سعید

(گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۱۶۲، ۱۶۳)

ہیبت خاں کی مسجد احمد آباد

یہ مسجد بھی ایک عمدہ مسجد ہے، اس کی بناوٹ میں ہندو اور اسلامی طرز تعمیر دونوں جمع ہیں۔

(ہندوستان گائڈ ص۸)

مسجد احمد آباد

یہ مسجد احمد شاہ گجراتی کے عہد میں ۸۱۷ھ / ۱۴۲۳ء میں بنی، ایوان شمالی وجنوبی کے علاوہ اس مسجد میں ۳۵۲ ستون تھے، صرف اندرون مسجد کی لمبائی سو ہاتھ اور عرض پچاس ہاتھ ہے، صحن اس سے بہت زیادہ لمبا چوڑا ہے، اس مسجد کے مینارے بہت عمدہ ہیں، جن کی لمبائی وبلندی ۱۸۶ ہاتھ ہے، اس مسجد کے تین دروازے ہیں۔ (ہندوستان عہد اسلامی میں ص۱۳۸)

پروفیسر مجیب نے لکھا ہے۔

"احمد آباد کی جامع مسجد مغربی ہندوستان میں اپنی قسم کی بہترین عمارت مانی جاتی ہے، اس مسجد میں روشنی پہنچانے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ خود بہت سبق آموز ہے، عمارت کی تقریباً ہر خصوصیت ایسی ہے کہ فن تعمیر سے دلچسپی رکھنے والے کو تعریف کرنے پر مجبور کر دے گی۔"

(تمدنی کارنامے ص۱۸)

جامع مسجد سری نگر (کشمیر)

سری نگر جو کشمیر کا سب سے بارونق حصہ ہے، اس میں سلطان سکندر کی بنوائی ہوئی ایک جامع مسجد ہے، جسے اس نے ۱۴۰۰ء میں تعمیر کرائی تھی، اس میں چوبی فن تعمیر کے تمام اوصاف موجود ہیں، اسی کے ساتھ مذہب کی رو سے جن باتوں کا مسجد میں ہونا ضروری ہے اس کی رعایت بھی ہے، بعضوں نے اس کا سنہ تعمیر ۷۵۵ھ / ۱۳۵۴ء لکھا[1] ہے، مسجد کا معمار صدر الدین خراسانی تھا یہ مسجد امتداد زمانہ سے کئی مرتبہ اجڑی اور بنی، آگ لگنے سے جل گئی پھر اس دور کے لوگوں نے پہلے نقشہ پر بنوا دی، اس کی آخری تعمیر عالمگیر اورنگ زیب نے کرائی، مگر انھوں نے اس مسجد کا ابتدائی نقشہ باقی رکھا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں آنے دی، اس جامع مسجد میں دو سو چالیس فٹ کا وسیع و کشادہ صحن ہے، جس کے ہر چہار طرف چوڑی دالانیں چھت دار ہیں البتہ باہر کی دیواریں اینٹ کی ہیں، اندر سارا کام لکڑیوں کا ہے۔

اس مسجد میں صرف مغرب کی جانب راستہ نہیں ہے، بقیہ تینوں طرف راستے ہیں، بڑا دروازہ جنوب میں ہے، اس دروازہ کی ایک طاقدار برساتی بنی ہوئی ہے، اس سے گذر کر صحن مسجد میں آدمی پہنچتا ہے جیسا کہ عرض کیا گیا صحن کے چاروں طرف محراب دار دالانیں ہیں،

---

[1] دیکھئے ہندوستان عہد اسلامی میں ص۳۸۱ ۔

جس کے اوپر کھڑکیاں ہیں، البتہ بیچ میں سامنے کا رخ مربع نما ہے، جس کے اوپر محرابیں ہیں، اور اس کے اوپر چھت اور گنبد ہے۔

سمت مغرب میں منبر بنا ہوا ہے، اس میں محراب دار راستے ہیں، جس میں دو طرف لکڑی کے کھمبے لگے ہوئے ہیں، اور محرابیں بنی ہوئی ہیں، جس کی وجہ سے مسجد کے اس حصہ میں وسعت وکشادگی آگئی ہے سب سے بڑی اور خاص چیز اس مسجد کے چاروں طرف اونچی فصیل ہے یہ فصیل دیوار کے برابر ۲۵ سے پچاس فٹ اونچے تک کافی موٹے، گول کھمبوں سے بنائی گئی ہے، پوری مسجد کو یہ چوبی ستون ملاتے ہیں۔ ان ستونوں کی تعداد تین سو اٹھتر ہے۔

ساری مسجد کو اس کے شاہانہ خوب صورت اور بلند اور گول کھمبے رونق بخشتے ہیں اور سچ پوچھئے تو ان چوبی (لکڑی) کے کھمبوں نے ہی اس مسجد کو دوسری تمام مسجدوں میں ممتاز کر دیا ہے۔

اس کی چھت اس طرح بنی ہوئی ہے کہ پانی اس پر نہ اثر کرتا ہے اور نہ رُکتا ہے، یہی حال برف کا ہے، چھت اہرام کی شکل کی بنی ہوئی ہے اس پر مینار ہے اور اس کے کلس پر دھات چپاں ہے، جو کھلی چھتری کی طرح نظر آتی ہے، میناروں میں ڈھالو چھجے بنے ہوئے ہیں۔

(کشمیر سلاطین کے عہد میں ص۲۴۳)

جامع مسجد سری نگر (کشمیر) کا جہانگیر بادشاہ نے اپنی تزک جہانگیری میں سیر کشمیر کے سلسلہ میں خصوصی طور پر تذکرہ کیا ہے، اس نے لکھا ہے کہ شہر کشمیر میں ایک عمدہ اور شاندار مسجد ہے، جو سلطان سکندر نے ۷۹۵ھ میں بنوائی تھی، ایک مدت کے بعد یہ جل گئی، تو اس کو دوبارہ

۹۰۹ھ میں ابراہیم ماگرے وزیر سلطان حسین نے بنوایا، جہانگیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلاطین کشمیر کی سب سے عمدہ یادگار یہی ہے۔

(شاہی سیر کشمیر صـ۱۴۳)

مولانا عبد السلام نے اپنے مضمون میں لکھا ہے۔
کہ ایک مدت کے بعد جب یہ مسجد جل گئی تو سلطان حسین نے اس کو ازسرِ نو تعمیر کرانا شروع کیا، لیکن اثنائے تعمیر میں اس کا انتقال ہو گیا، تو اس کے وزیر ابراہیم ماگرے نے ۹۰۹ھ میں تعمیر کے کام کو مکمل کرایا۔ (معارف اعظم گڈھ ذی الحجہ ۱۹۶۸ء)

جہانگیر کے الفاظ یہ ہیں۔
"الحق از حکام کشمیر اثرے بہتر ازیں نہ ماندہ"

(تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور صـ۳۰۲)

یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت سے اب تک قائم ہے محراب سے دیوار شرقی تک ایک سو بیتالیس گز ہے اور عرض ایک سو چالیس گز ہے، میر علی ہمدانی قدس سرہ نے چند روز یہاں قیام فرمایا ہے۔

(ترجمہ تزک جہانگیری نظامی کانپور صـ۲۱۲)

اقبال نامہ میں بھی اس مسجد کی تفصیل درج ہے۔

ہمدانی مسجد کشمیر

سری نگر کی قدیم مسجدوں میں ہمدانی مسجد بھی تاریخی یادگار کی حیثیت رکھتی ہے، یہ خانقاہ معلی کے نام سے مشہور ہے، یہ مسجد جہلم کے دائیں کنارے پر واقع ہے، برآمدوں اور اس سے ملے ہوئے حصوں کو چھوڑ کر اس کی لمبائی چوڑائی ستر فٹ ہے، یعنی ستر فٹ لمبی اور اتنی ہی چوڑی اس مسجد کی عمارت دو منزلہ ہے، اس کی بلندی پچاس فٹ ہے، اس کی اہرام نما چھت تین تہوں میں بنی ہوئی ہے، اس کے اوپر موذن کے لئے ایک شہ نشیں ہے اور اس کے اوپر گنبد ہے اور گنبد پر کلس ہے، جس کی بلندی زمین سے ۱۲۵ فٹ ہے، مسجد کے چاروں سمت میں چھت دار راستے ہیں، اور دالانیں بھی ہیں، اور برساتیاں بھی، جن میں جگہ جگہ جالیاں لگی ہوئی ہیں، نیچے والی منزل میں ایک مستطیل دالان ہے جس کی لمبائی ۶۳ فٹ اور چوڑائی ۴۳ فٹ ہے، پہلے یہ حصہ چوکور تھا، مگر شمال و جنوب میں کچھ حصے توسیع میں آگئے ہیں، اس اضافہ سے چوکور باقی نہیں رہی۔

اس مسجد میں بھی کھمبے چوبی ہیں جو ہشت پہل ہیں، محراب طاقدار ہے چھت لکڑی کی ہے، دیواروں پر نقش و نگار ہیں، اور فرش مسجد پر قیمتی اور مختلف رنگوں کی جائے نمازیں بچھی ہوئی ہیں۔ (کشمیر سلاطین کے عہد میں ص ۴۱۹، ۴۲۰)

مسجد جہاں آرا بیگم کشمیر

دارا شکوہ پسر شاہجہاں کے مرشد، ملّا شاہ بدخشانی ایک باخدا بزرگ تھے، جہاں آرا بیگم جو دارا شکوہ کی ہمشیر تھی، انھوں نے ملّا شاہ بدخشانیؒ کی راحت کے خیال سے یہ مسجد ان کی خانقاہ کے متصل بنوائی، اور چالیس ہزار روپے اس کی تعمیر پر خرچ ہوئے، ملّا بدخشانیؒ حضرت مخدوم کے نام سے پکارے جاتے تھے، جہاں آرا بیگم نے اس مسجد کے ساتھ اس کے ارد گرد طلبہ اور ذاکرین کے لئے بہت سارے کمرے بھی بنوا دیئے تاکہ وہ راحت کے ساتھ ان میں قیام کر سکیں، اور تعلیم و تربیت اور ذکر اللہ میں مشغول رہیں۔

شاہجہاں بادشاہ جب کشمیر میں ۱۰۶۰ھ میں برائے تفریح تشریف لائے، تو اپنے بیٹے دارا شکوہ کے مرشد ملّا شاہ بدخشانی سے ملنے کے لئے اس مسجد میں بھی آئے، ملّا صاحبؒ جو اپنی حق آگاہی اور صفا کیشی میں پنجاب و کشمیر میں کافی مشہور تھے، بادشاہ کی آمد پر ایک نظم پڑھی جسکا پہلا شعر یہ تھا

امروز شاہ شاہاں مہماں شدہ است مارا

جبریل با ملائک درباں شدہ است مارا

بادشاہ دیر تک ملّا شاہ بدخشانیؒ کی خدمت میں بیٹھے رہے اور ان کی نصیحت آمیز باتیں سنتے رہے، جہاں آرا کا لقب بادشاہ بیگم تھا۔ (شاہی سیر کشمیر ص ۲۰۱)

جامع مسجد جموں توی

جموں میں مسجدیں تو اور بھی ہیں، جو مختلف محلوں میں واقع ہیں، مگر اس جگہ کے اعتبار سے کوئی نمایاں جامع مسجد نہیں تھی، ضرورت تھی کہ ایسی کوئی مسجد تیار کی جائے، جہاں جموں شہر کے تمام مسلمان جمعہ میں جمع ہو سکیں۔

یاد ہو گا کہ شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے بعد کشمیر کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد مرحوم بنائے گئے تھے، انھوں نے ایک کشادہ جگہ میں جہاں مسلمانوں کی بڑی اچھی آبادی ہے، ایک جامع مسجد بنانا طے کیا، چنانچہ ۷/ مئی ۱۹۶۳ء کو مسلمانوں کے ایک وقیع مجمع کی موجودگی میں خود انھوں نے جامع مسجد جموں توی کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کی تیاری کا آڈر دیا۔

چنانچہ یہ مسجد ایک عمدہ نقشہ کے مطابق تیار ہوئی، جو دیکھنے میں بہت خوشنما ہے اور اس کے آگے ایک کھلا ہوا وسیع صحن ہے۔

اس مسجد کی لمبائی ساڑھے پچیس میٹر، اور چوڑائی اندر سے ساڑھے ستائیس میٹر ہے، اندر کا پورا حصہ کنارے کی دیواروں اور اندر کے صرف دو ستونوں پر کھڑا ہے، اندرون مسجد نماز کے لئے بیس صفیں ہیں، باہر کی طرف ایک کشادہ صحن ہے جو گھرا ہوا ہے۔

اس مسجد کے ایک حصہ میں وضو کا انتظام بھی ہے، ماشاء اللہ

یہ جامع مسجد آباد ہے، پنجوقتہ کافی نمازی شریک جماعت ہوتے ہیں۔

جن دنوں میں سرکاری دفاتر جموں میں ہوتے ہیں، خود وزیر اعلیٰ اور سرکاری افسران وحکام بھی بڑی تعداد میں عوام کے ساتھ جمعہ کی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں۔

ماہ ربیع الاول میں سیرت النبی کا جلسہ بھی اسی مسجد کے آگے والے صحن میں ہر سال ہوا کرتا ہے، اس مسجد کے ارد گرد کافی مسلمانوں کی دکانیں ہیں۔

اس مسجد کے امام ایک عرصہ سے دارالعلوم دیوبند کے ایک فاضل مولانا صدر الحسن قاسمی زید مجدہ ہیں، جمعہ میں مولانا موصوف مسلمانوں کو خطاب بھی کرتے ہیں اور احکام ومسائل بیان فرماتے ہیں۔

ادھر کئی سال ہوئے وہاں کے مسلمانوں اور امام صاحب موصوف کی جدوجہد سے مسجد کے آگے ایک دینی مدرسہ بھی قائم ہو گیا ہے، جہاں مسلمان بچے اور نوجوان دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

تاج المساجد بھوپال

اس مسجد کی بنیاد نواب شاہجہاں بیگم والی بھوپال نے ڈالی تھی اور ایک بہت کشادہ مسجد بنانے کا عزم کیا تھا، اس کے لئے نامی گرامی انجینئر بلائے گئے تھے، لیکن یہ مسجد ان کی زندگی میں تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔

اس مسجد کی لمبائی ۸۶ گز ہے اور چوڑائی ۲۱ گز، پوری مسجد سنگ سرخ سے بنائی گئی ہے، اپنی زندگی میں شاہجہاں بیگم اس کی تعمیر پر بیس لاکھ روپے خرچ کر چکی تھیں، اس کے لئے باہر سے عمدہ قیمتی پتھر منگوائے گئے تھے۔ اس مسجد کے ستون پتھروں کو تراش کر نکالے گئے تھے، پھر ان پر نقش و نگار بنائے گئے، اس کی تکمیل کے لئے ایک اطالوی انجینئر بلوا رکھا تھا، یہ مسجد شہر کے کنارے واقع تھی، اب تو شہر میں آ گئی ہے۔

اس مسجد کا اندرونی احاطہ ۳۲۵ فٹ لمبا اور ۳۲۵ فٹ چوڑا ہے، اس مسجد کے محرابوں اور اس کے پایوں اور ستونوں کی بلندی ۴۰ فٹ سے لے کر ۷۰ فٹ تک ہے، اس مسجد کی زینت کے لئے شاہجہاں بیگم نے بہت سارے جھاڑ فانوس بڑے حسین و دیدہ زیب فراہم کر رکھے تھے، کہ تیاری کے بعد لٹکائے جائیں گے، ان کی حکم رانی ۱۸۶۸ء سے ۱۹۰۱ء تک رہی، ۱۹۰۱ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

بیگم صاحبہ کے بعد خاندان کے دوسرے مستحق حکمراں ہوئے۔ یہ نواب صاحب اپنی سوجھ بوجھ میں بہت مشہور تھے، ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا، اور پھر اس کے کچھ سالوں کے اندر ملک کی ساری ریاستیں قانوناً ختم کر دی گئیں، اور حکومت ہند کے تحت آگئیں، نوابوں اور مہاراجوں کی حکومت ختم ہوگئی اور وہ سارے عام پبلک کے درجہ میں آگئے۔ سیاسی رہنما ملک کی قسمت کے مالک بن گئے۔

آزاد ہندوستان میں مولانا عمران خاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسجد تاج المساجد کی آبادی کے لئے حکومت کی اجازت سے دارالعلوم تاج المساجد کے نام سے ایک عربی دینی مدرسہ قائم کر دیا، جس کا پہلا افتتاحی اجلاس حضرت العلامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ قاضی القضاۃ کی صدارت میں منعقد ہوا، جو بوقت آزادی ملک باضابطہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے۔

مولانا عمران خاں ندویؒ نے مسلمانوں کے عام چندوں اور اپنی جدوجہد سے اس مسجد کی تکمیل فرمائی، دارالعلوم کی بدولت یہ مسجد آباد اور پُررونق ہوگئی، مولانا کی توجہ ہی سے وہاں ہر سال تبلیغی جماعت کا عالمی اجتماع شروع ہوا، جس میں لاکھوں کی تعداد میں عوام و خواص جمع ہوتے ہیں۔ یہ سالانہ اجتماع ہنوز جاری ہے۔

اب اس مسجد کے اردگرد طلبہ و اساتذہ کے قیام کے لئے کمرے بھی بڑی تعداد میں بن گئے ہیں۔ (ندیم بھوپال ۲۴ دسمبر ۱۹۸۹ء)

نور مسجد بھوپال

خاص شہر بھوپال میں نواب صاحب کا قدیم محل تھا، اس محل کی از سر نو تعمیر و ترمیم عمل میں آئی، اور ۱۲۹۶ھ میں نواب صاحب کے حکم سے دیوان عام اور دیوان خاص وغیرہ بنایا گیا۔

اسی محل سے متصل اسی زمانہ میں ایک خوبصورت مسجد سنگ مرمر سے تیار کی گئی، اور اس کا نام "نور مسجد" تجویز ہوا، اس مسجد کی تاریخ بناء اس آیت سے نکالی گئی ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا

(مآثر صدیقی ص۲۰)

عیدگاہ شاہجہاں آباد بھوپال

شاہجہاں آباد بھوپال میں مغربی پہاڑی کے پاس ایک عیدگاہ ہے جو سو گز لمبی اور سو گز چوڑی ہے، اس کے دو حصے ہیں، ایک مردوں کے لئے دوسرا عورتوں کے لئے، عورتوں والا حصہ پردہ پوش ہے۔ (مآثر صدیقی ص۲۱)

موتی مسجد بھوپال

یہ مسجد سنگ سرخ سے بنائی گئی ہے جس کے دونوں بازو ۹ × ۹ گز طویل ہیں، اور درمیانی حصہ ۱۶ گز طویل ہے، اس مسجد کا فرش، اس کے ستون اور اس کی چھت سنگ مرمر سے بنائی گئی ہے مسجد کے دونوں طرف دو حوض ہیں، اور قبلہ چھوڑ کر تینوں طرف تین دروازے ہیں، رئیسہ عالیہ نے تقریباً چار لاکھ صرف کر کے اس کی تکمیل کرائی، بنیاد ان سے پہلے نواب صاحب نے ڈالی تھی۔

(مآثر صدیقی حصہ سوم ص ۷۲)

جامع مسجد بھوپال

یہ مسجد گوہر بیگم کی بنائی ہوئی ہے، اس مسجد کی تعمیر ۱۲۴۹ھ میں شروع ہوئی تھی، اور ۱۲۷۳ھ میں جاکر مکمل ہوئی، مسجد عمدہ ہے، اس مسجد کی لمبائی ۳۴ گز ہے، اس زمانہ میں اس مسجد پر پانچ لاکھ ساٹھ ہزار پانچ سو اکیس روپے دو آنے خرچ ہوئے۔ (غنچہ بجنور ۱۶ مارچ ۱۹۵۱ء)

جامع مسجد شاہجہانی اجمیر

شاہجہاں بادشاہ ملک اودے پور فتح کرنے کے بعد اجمیر پہنچا، مزار خواجہ پر حاضری دی، ایصال ثواب کیا، اور آپ کے روضہ کی غربی سمت میں ایک عظیم الشان مسجد بنوائی، ۱۰۳۷ھ میں تعمیر کا حکم جاری کیا، اس مسجد کی تکمیل پر دس سال صرف ہوئے، چنانچہ ۱۰۴۷ھ میں مکمل ہوئی، اس مسجد کی تعمیر پر دو لاکھ چالیس ہزار روپے خرچ ہوئے۔

اس مسجد کا طول ۹۷ گز اور عرض ۲۷ گز ہے، مسجد کا صحن ۹۹ گز ہے، صحن مسجد میں پانچ دروازے ہیں، ایک جنوب میں، دوسرا شمال میں ہے، ان کے علاوہ تین دروازے مشرق میں ہیں، یہ مسجد سنگ مرمر سے تیار کرائی گئی ہے، جالیاں عمدہ ہیں، درمیانی محراب میں کلمہ طیبہ کندہ ہے، اور باہر کی محرابوں میں ۹۹ نام باری تعالیٰ جلّ جلالہٗ کے کندہ ہیں۔

مسجد کی تاریخ تعمیر یہ ہے۔

"قبلۂ اہل نوماں شد مسجد شاہجہاں" ۱۰۴۷ھ

مسجد پر بہت سارے فارسی کے اشعار بھی کندہ ہیں، ان سے چند درج کئے جاتے ہیں۔

شہنشاہ دیں پرور دین پناہ ∴ فلک قدر شاہجہاں بادشاہ

پناہِ امم صاحبِ تخت و تاج ؎ کہ دارد شریعت بعہدش رواج
پس از فتح رانا بصد عزّ و جاہ ؎ بدولت در اجمیر نزد بارگاہ
دراں روضۂ پاک مسجد نبود ؎ دلش را تمنائے مسجد فزود
بتوفیق حق گشت کارش تمام ؎ بنا کرد ایں مسجد و شد تمام
نوشتند تاریخش اہل یقیں ؎ بنائے شہنشاہ روئے زمیں ۱۰۴۷ھ

(تاریخ اجمیر شریف ص۸۳)

مسجد سرائے اجمیر

سرائے سابق کے دروازہ پر یہ مسجد میر سعادت علی سابق میر منشی راجپوتانہ نے ۱۰۵۹ھ میں بنوائی تھی، مسجد خوش وضع ہے، مسجد سے متصل جانب جنوب ایک کنواں ہے، مسجد کی محراب میں سنگ مرمر کی لوح پر بخط طغریٰ یہ تاریخ کندہ ہے۔

میر سعادت علی کرد در اجمیر طرح ؎ مسجد و چاہے کہ ہشت از چشمۂ آب بقا
آنکہ از باقر علی می رسد ؎ حلقہ بحلقہ بہم سلسلہ اش مرحبا
ساختہ شد ایں مکاں کرد بدل اجر آں ؎ از رہ صدق و صفا نذر رسول خدا
از پئے ایں سال گفت ہمایوں سروش ؎ چشمۂ زمزم صفت مسجد کعبہ بنا

(تاریخ اجمیر ص۸۴)

مسجد اکبری اجمیر

یہ مسجد اکبر اعظم بادشاہ نے ۹۷۸ھ میں تعمیر کرائی تھی، پوری مسجد سنگ سرخ سے بنی ہوئی ہے، مسجد کی بیچ محراب، اور دونوں طرف کی محرابیں، اسی طرح جنوبی و شمالی محرابیں سنگ مرمر، لاجوردی، اور لاکھی پتھروں کی عمدہ پچکاری سے تیار کی گئی ہیں اور بڑی عمدگی سے بنائی گئی ہیں، اس مسجد کا طول و عرض مع چالیس فٹ ہے، اور درمیان کی بلندی چھپن فٹ ہے، اس کے گنبد اوسط درجہ کے ہیں۔

مسجد کے وسط صحن میں حوض ہے، جو ہشت پہل ہے، لوگ اسی حوض پر وضو کرتے ہیں، مشرقی دروازہ بہت بلند ہے، یہ مسجد ایک کافی بلند جگہ پر بنائی گئی ہے، نیچے کی طرف پندرہ فٹ کی کرسی باندھی گئی ہے، جو تہ خانہ ہے۔ (تاریخ اجمیر صـ۸۳)

مسجد گیسو خاں اجمیر

یہ مسجد تاراگڈھ کے راستہ پر اندرکوٹ کے پچھم جانب واقع ہے، ۹۷۶ھ میں گیسو خاں نے بنوائی تھی، محراب مسجد پر سنگ مرمر کی تختی میں یہ اشعار کندہ ہیں۔

بعہد حضرت شاہ فلک قدر ❊ پناہ دیں احمد ظل یزداں
جلال الدین محمد شاہ اکبر ❊ سکندر حشمت و دارائے دوراں
ہمیں ہمت خاں حسن خلق ❊ سپہر جود، گیسو خاں عمراں
ز ہجرت نہ صد و ہفتاد و شش ❊ کہ شد تعمیر ایں اسقائے میزاں

گویا یہ مسجد جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد کی بنی ہوئی ہے۔

عیدگاہ اجمیر

یہ عیدگاہ ۱۱۸۷ھ میں تعمیر ہوئی، اس کا طول ۱۳۲ گز اور عرض چالیس گز ہے، یہ بہت وسیع عیدگاہ ہے۔ (تاریخ اجمیر ص۸۹)

ڈھائی دن کی مسجد اجمیر

۵۹۵ھ میں سلطان شہاب الدین غوری اجمیر تشریف لائے، انھوں نے یہ مسجد بنوائی، اس پر یہ تاریخ کندہ ہے۔

"بنی فی الحادی والعشرین جمادی الآخرۃ من خمسۃ وتسعین وخمسمائۃ" ۵۹۵ھ

محراب اس کی سنگ مرمر کی بہت خوب صورت ہے۔ اس کی غربی دیوار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

"بنی فی لیۃ ابی بکر احمد جمال بفضلی بتاریخ رابع ستۃ وتسعین وخمسمائۃ" ۵۹۶ھ

عہد التمش میں یہ عبارت تبدیل ہوگئی، اور سنہ ۶۱۳ھ میں ازسرنو سنگ سرخ سے مسجد تیار کی گئی، دونوں طرف تین تین برجیاں ہیں اور بیچ میں بڑا سا گنبد ہے، وسطی محراب کے دونوں بازوؤں پر ایک ایک مینار ہے، جو سنگ سرخ سے بنائے گئے ہیں۔

اس مسجد کے بیچ کی محراب چھپن فٹ بلند ہے، اور گرداگرد دیواریں ۳۵ فٹ بلند ہیں، صحن کے آگے آنے جانے کے لئے دو دروازے ہیں، مسجد کی دائیں محراب پر سورہ اِنَّا فَتَحْنَا اور سنہ تعمیر اور بائیں محراب پر سورۂ تَبَارَکَ الَّذِی، اور وسطی محراب میں

ایک کتبہ بطور طغریٰ جلی حروف کندہ ہے۔

اس عمارت کو علی احمد معمار نے باہتمام محمد عارض تیار کیا ہے، وسطی محراب کی عربی عبارت لمبی ہے، سلطان التمش کا پورے القاب کے ساتھ نام درج ہے کہ ان کے حکم سے اس مسجد کی عمارت تیار ہوئی۔ (تاریخ اجمیر ص۸۲)

مسجد سلطان خلجی اجمیر

یہ مسجد سلطان التمش شمس الدین نے ۸۵۹ھ میں بنوائی، فرش سنگ مرمر کا ہے، اب اس زمانہ میں اس جگہ پر صندل گھسا جاتا ہے، اسی وجہ سے اس کو صندل خانہ بھی کہنے لگے ہیں۔

(تاریخ اجمیر ص۸۳)

اولیاء مسجد قلندری اجمیر

یہ مسجد سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے، اس مسجد کے دونوں جانب دو حجرے بنے ہوئے ہیں، کہتے ہیں کہ اس مسجد میں حضرت خواجہ نماز ادا کرتے تھے۔ (تاریخ اجمیر ص۸۷)

شاہجہانی مسجد اجمیر

جامع مسجد شاہجہانی کا تذکرہ آچکا ہے، یہ دوسری شاہجہانی مسجد درگاہ بازار کے شمالی فصیل اور دہلی دروازہ کے متصل ہے، سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ (تاریخ اجمیر ص۸۸)

مسجد قلعہ گلبرگہ

سلاطین بہمنی نے اپنے قلعہ میں یہ مسجد تعمیر کی تھی، جو جامع مسجد قرطبہ کے نقشہ پر تعمیر ہوئی ہے، یہ مسجد کافی لمبی چوڑی اور کشادہ ہے، اس مسجد کے ایک سو گیارہ گنبد ہیں، ان میں سب سے بڑا گنبد زمین سے ۷۵ فٹ اونچا ہے، اس کی چھت دو سو پچیس فٹ لمبی اور ایک سو ارسٹھ فٹ چوڑی ہے۔

شمال و جنوب میں اس مسجد کے دو دروازے ہیں، تاریخ بیجاپور کے مطابق اس مسجد میں بیک وقت چھ لاکھ نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

(ہندوستان عہد اسلامی میں ص ۱۴۵)

ایک صاحب لکھتے ہیں۔

"شروع کی عمارتوں میں گلبرگہ کی جامع مسجد نمایاں حیثیت رکھتی ہے، اس کی انوکھی صفت یہ ہے کہ اس میں کوئی صحن نہیں، پوری مسجد ڈھکی ہوئی ہے" (تمدنی جلوے ص ۱۹)

یہ بھی لکھا ہے "نظر کے سامنے گنبدوں کا ہجوم آتا ہے، جن پر مرکزی ایوان کا عالیشان گنبد چھایا ہوا ہے، اس کا قطر چالیس فٹ ہے، مسجد کا اندرونی حصہ چوکور ایوانوں پر مشتمل ہے جن کی محراب دار چھتیں موٹے مضبوط پایوں پر قائم کی گئی ہیں، جو وزن اور استقلال کی مثال معلوم ہوتے ہیں" (ایضاً)

جامع مسجد بیجاپور

سلطان عادل شاہ جس قدر علوم وفنون کا قدرداں تھا، تعمیرات کا بھی دلدادہ تھا، اس کا تعمیری کارنامہ جس کو اولیت حاصل ہے، یہ جامع مسجد ہے، اسے اس نے ۹۸۵ھ میں تعمیر کیا، اس کا نقشہ سادہ ہے مگر جنت نگاہ ہے، اس کی عمارت دیدہ زیب ہے اندرونی حصہ بہت ہی دلپذیر ہے جس پر مصلّی بنے ہوئے ہیں، شہر کی تمام عمارتوں پر اس کو برتری حاصل ہے۔

یہ جامع مسجد سب سے بڑی ہے، جو شہر کے جنوب ومشرقی حصہ میں واقع ہے، اس مسجد کے ہر سہ طرف برآمدے ہیں، سب کا مجموعی رقبہ ۱۱۶۳۰۰ مربع فٹ ہے، اس مسجد میں کل پینتالیس فیل پائے ہیں جو نہایت مضبوط اور بھاری ہیں، اندرون مسجد کا حصہ سادہ ہے، البتہ محراب والا حصہ رنگین ہے، اس کے فرش پر اتنی عمدہ پالش ہے کہ منھ دکھائی دیتا ہے، عقب کی دیواروں میں پتھروں کے جالیدار روشن دان ہیں، منبر کے پاس کا محراب بڑا ہی دیدہ زیب ہے، جس پر ہمیشہ دبیز پردہ پڑا رہتا ہے، اس کے اٹھاتے ہی آنکھیں چکاچوند ہوجاتی ہیں، اس کے اندرونی طاق میں مینا کاری، لاجوردی اور سنہری منبت کا کام ہے۔

اس کی خوبصورت محراب پر یہ رباعی درج ہے۔

بر قصر عمر تکیہ مکن استوار نیست ٭ در دارِ بے قرار کسے را قرار نیست
خوش زیست دنیا رونق بچشم ما ٭ خوش دولت است عمر ولے پائیدار نیست

اس مسجد کی تعمیر تو عادل شاہ کے دور میں ہوئی، مگر محراب کے نقش و نگار بعد کے ہیں، سلطان کو نقاشی کا بڑا ذوق تھا ___ مسجد کا فرش بہت عمدہ ہے جس پر سیاہ حاشیہ دے کر جائے نمازیں بنائی گئی ہیں، اس حساب سے بیک وقت ۲۲۵۰ نمازی اندر دالان میں نماز ادا کر سکتے ہیں اور باہر کے دالانوں میں اس کے سوا ہزاروں آدمی نماز میں شریک ہو سکتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ مشرقی دروازہ اور یہ مصلّی عالمگیر بادشاہ کا بنوایا ہوا ہے۔ کتبے بہت ہیں۔

مسجد میں مینار بھی ہیں، مگر وہ ٹھوس ہیں، ان کے اندر چکر دار زینے نہیں ہیں۔ (واقعات بیجاپور ج ۲ ص ۲۵، ۲۶)

اس کے محراب اس صفت کی ہے کہ امام کی آواز ساری مسجد میں اس طرح پہنچتی ہے جیسے مائیکرفون لگا ہو، حالانکہ اس زمانہ میں اس کا تصور بھی نہیں تھا۔ (ہندوستان اسلامی عہد میں ص ۱۴۰)

مسجد افضل خاں بیجاپور

افضل خاں نے جہاں دوسری عمارتیں بنائیں وہیں انھوں نے ایک مسجد بھی ۱۰۸۳ھ میں بنوائی، اس مسجد کے ساتھ ایک دوسری محمد مسجد کے نام سے ہے جو ۱۰۶۴ھ کی تعمیر کردہ ہے، مسجد افضل خاں دو منزلہ ہے نچلا حصہ مردوں کے لئے ہے اور اوپری حصہ عورتوں کے لئے، جیساکہ احمد آباد کی مسجدوں میں عام طور پر مسجد کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک حصہ مردانہ ہوتا ہے اور دوسرا زنانہ۔ (واقعات بیجاپور ص ۱۱۲/۲۷)

بخاری مسجد بیجاپور

یہ مسجد انگریزی ڈاکخانہ کے پاس ہے، ابراہیم عادل شاہ کلاں کی والدہ فاطمہ سلطان نے یہ مسجد اور اس کے ساتھ مدرسہ اور باؤلی بنوائی تھی، صنعت کے اعتبار سے اس کا نقش ونگار بہت عمدہ ہے، اس کی محرابوں اور چھجے پر خوشنما بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔

(واقعات بیجاپور ص۹۱)

جامع مسجد شدی مسعود خاں بیجاپور

۱۰۷۷ھ

مسعود خاں صوبہ دار نے اپنی زندگی میں جہاں دوسری عمارتیں بنوائیں، وہیں اپنی جیب خاص سے ایک جامع مسجد بھی بنوائی۔ اس زمانہ میں مسجد کے لئے ۷۷ ہزار روپے میں صرف ایک زمین کا پلاٹ خریدا، اور پھر اس میں بڑے شوق اور عقیدت کے ساتھ مسجد کی بنیاد ڈالی، اور کوئی شبہ نہیں کہ بڑا ہی جاذب نظر اور خوشنما خانہ خدا بنوایا، جس کا سنہ تعمیر ۱۰۷۷ھ ہے، اس کی تاریخ تعمیر اس آیت کریمہ سے نکالی گئی۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

۱۰۷۷ھ

اس مسجد کی جالیاں جو بنائی گئی ہیں وہ ایک پتھر کو تراش کر کے، جو قابل دید ہیں انھوں نے اس ارزانی کے زمانے میں اس کی تعمیر پر دو لاکھ روپے صرف کئے، یہ پوری مسجد دو سال نو مہینے میں جا کر تیار ہوئی، اس کی تکمیل سال کی تاریخ یہ ہے۔

"مسعود خاں بانی این مسجد بود"

۱۰۷۹ھ

سکندر عادل شاہ نے اس مسجد کے لئے سنگ مرمر کی ایک تختی بھیجی تھی اور ایک ہزار اشرفی، یہ کتبہ جو اوپر نقل ہوا، اسی تختی پر کندہ ہوا، یہ تختی اب بھی اندرونی محراب میں لگی ہوئی ہے، بادشاہِ وقت

کے اس عطیہ سے مسجد کو آراستہ کرایا گیا، طلائی آرائش اسی کی یادگار ہے۔

پھر مسجد کی آبادی کے لئے اس مسجد کے اطراف میں مسلمانوں کا ایک محلہ بسایا گیا، جو مسعود خاں کے کسی عزیز کے نام سے موسوم ہے، مسجد کے صحن میں ایک حوض بھی ہے۔ (واقعات بیجاپور ص ۱۳)

یہ مسجد مسعود خاں کو اپنی جان، اپنے مال، اپنی اولاد اور اپنے سارے اقتدار سے زیادہ عزیز تھی، ۱۶۸۶ء میں عالمگیر نے ان کی جگہ غازی الدین خاں فیروز جنگ کو صوبہ دار بنا کر بھیجا، اس وقت کافی جنگ ہوئی، مگر قلعہ فتح نہ ہوا، اس وقت مقامی جاننے والوں نے مشورہ دیا، کہ یہ مسجد جو قلعہ سے باہر ہے مسعود خاں کو بہت عزیز ہے، لہٰذا اب قلعہ کو چھوڑ کر مسجد کا رخ کیا جائے، پھر اندازہ ہوگا کہ مسعود خاں کتنا بے تاب ہوتا ہے، قلعہ کا دروازہ فوراً کھولنے پر مجبور ہوگا، غازی الدین خاں فیروز جنگ کی سمجھ میں یہ بات آگئی، چنانچہ توپوں کا رخ مسجد کی طرف کر دیا گیا، اور خالی آوازیں شروع کر دی گئیں، توپوں کی آواز سن کر مسعود خاں بے چین ہو گیا اور سوچا ایسا نہ ہو کہ مسجد کو مسمار کر دیا جائے، یہ جامع مسجد اس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی اندر خبر کی گئی کہ مسجد پر توپیں چلنی شروع ہو چکی ہیں، یہ سن کر تڑپ اٹھا اور کہنے لگا۔

"مسجد خدائے پاک کا گھر ہے، اس پر قلعہ، میری جان میرا مال، میرے اہل و عیال، میرا خزانہ اور خود وہ اس مقدس گھر پر نثار ہے، قلعہ کا دروازہ کھول دو، میں خود حاضر

ہوتا ہوں "

یہی کیا، اپنی گرفتاری پر آمادہ ہو گیا اور حاضر ہو کر کہنے لگا ۔ لو مجھے گرفتار کر لو اور خدا کے مقدس گھر کو معاف کر دو۔

چنانچہ اس کو گرفتار کر لیا گیا اور قید میں ڈال دیا گیا۔ جہاں گھٹ گھٹ کر اس بے جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی ـــ یہ تھی محبت وعقیدت اس کی اس گھر سے جس کو مسجد کہتے ہیں۔

(واقعات بیجاپور ص۳۶)

مسجد رائلان بیجاپور

یہ مسجد قلعہ چینی کے قریب جنوب ومشرق میں واقع ہے قدامت میں یہ مسجد دوسری مسجدوں سے بڑھی ہوئی ہے، ۱۶۰۷ھ / ۱۳۲۰ء میں تیار ہوئی ہے، اس کا بالائی حصہ ملک کریم نے ۱۶۰۷ھ میں تعمیر کیا تھا، کریم الدین ملک کافور کا فرزند تھا، جو علاء الدین کا جنرل تھا۔

مسجد کا درمیانی حصہ اونچے بلند ستون فیل پاؤں دے کر بنایا گیا ہے جس کی وجہ سے روشنی اور ہوا خوب آتی ہے، یہ اپنے طرز کی ایک ہی مسجد ہے، اس کے احاطہ میں گنج شہیداں بھی ہے، جنھوں نے غیر مسلموں کے مقابلہ میں شہادت حاصل کی تھی۔ (واقعات بیجاپور ص ۵۷/۲۶)

انڈو مسجد بیجاپور

یہ دو منزلہ مسجد ہے، یہ مسجد اعتبار خاں نے ۱۶۰۸ء میں بنوائی، جو ابراہیم عادل شاہ کا وزیر اعظم تھا، بیجاپور کی مسجدوں میں یہ مسجد سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت ہے، اس کا فرش عمدہ اور مسطح ہے، بہت مضبوط ہے کہنگی کے آثار ظاہر نہیں ہیں، اس مسجد کے بہت سارے کام ادھورے رہ گئے ہیں، اس کے قبے عمدہ ہیں، چاروں کناروں میں چار مینارے ہیں، میناروں پر برجیاں ہیں جو لاجواب ہیں۔

مسجد مصطفیٰ خاں بیجاپور

قلعہ سے پانچ سو قدم کے فاصلہ پر محل سے متصل یہ مسجد واقع ہے جو کافی مستحکم ہے اور بلند بھی ہے، مسجد کا چھجہ بڑا مضبوط اور زبردست بنایا گیا ہے، اس مسجد میں کوئی زینت نہیں، اس کے مینار ادھورے ہیں، مسجد کے پیچھے مصطفیٰ خاں کے محل کے کھنڈرات ہیں

(واقعات بیجاپور ص ۸۳)

ملکہ جہاں بیگم کی مسجد

یہ مسجد درختوں کے جھنڈ میں قلعہ کی فصیل کے قریب واقع ہے، مسجد حسین اور خوبصورت ہے، اس کا دالان اور چھجہ بڑے سلیقے سے بنایا گیا ہے، اس مسجد کے تین در ہیں، درمیانی در پر بڑی نقاشی ہے، اور اس میں بڑا کمال دکھایا گیا ہے، جس کی مثال شاید اور جگہ نہ مل سکے، چار مینار ہیں، اس مسجد کی جالیاں بہت دیدہ زیب ہیں مسجد کے صحن میں ایک حوض بھی ہے، اس مسجد کو ابراہیم عادل شاہ ثانی نے اپنی صاحبزادی ملکہ جہاں بیگم کے لئے بنوایا تھا، کتبہ نہیں ہے اس لئے سنہ تعمیر معلوم نہ ہو سکا۔ (واقعات بیجاپور ص ۹ ج ۲)

ابراہیم کی جامع مسجد بیجاپور

اسے عوام پرانی مسجد بھی کہتے ہیں، یہ مسجد کھیتوں میں ہے، اس کی عمارت پرانے طرز کی ہے، مینارے چھوٹے ہیں، اینٹ چونے سے بنی ہوئی ہے، دونوں کناروں کے علاوہ چھت پر بھی مینار ہے، اس مسجد کو ابراہیم عادل شاہ اول نے ۹۷۹ھ / ۱۵۶۱ء میں بنایا تھا۔

U-109780

زنانہ مسجد اندرون قلعہ

قلعہ میں جہاں مردوں کے لئے مسجد ہے ایک مسجد عورتوں کے لئے بھی ہے جسے سولہا کھم کی مسجد کہتے ہیں، جس کی لمبائی جنوباً شمالاً سو گز ہے اور چوڑائی شرقاً وغرباً چوبیس گز، اور بلندی چوبیس گز ہے، اس کی کمانیں سترہ گز بلند ہیں، اور دس گز اس کی چوڑائی ہے۔

یہ مسجد سلطان احمد شاہ بھمنی کے عہد میں تیار ہوئی تھی، اس مسجد پر تخمیناً دو لاکھ لاگت لگی ہے، اس کے درمیانی گنبد کی مرمت مولوی اکرام الدین خاں کاکوروی تعلقہ دار ضلع نے نہایت عمدگی کے ساتھ کرائی ہے۔ اس کے بعض چھوٹے قبے گر گئے ہیں، البتہ بیچ کا گنبد محفوظ ہے جو بہت بڑی مسجد کے برابر ہے، نماز اسی کے نیچے ہوتی ہے، اس مسجد کی تکمیل ۸۳۰ھ میں ہوئی۔ (واقعات بیجاپور ج ۳۵-۳۶)

مسجد پیر حیدر بیجاپور

شیخ حمید کے روضہ کے پاس یہ مسجد واقع ہے، یہ مسجد ایک خاتون فاطمہ نامی نے بنوائی تھی، ایک باؤلی بھی بنوائی تھی، کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۷۹ھ/۱۵۶۱ء میں تعمیر ہوئی ہے۔

جامع مسجد ۱۰۹۱ھ

قلعہ کی قدیم عمارتوں میں ایک جامع مسجد بھی ہے جو ۱۰۹۱ھ میں تعمیر ہوئی، اور جو ماشاء اللہ اپنے طرز کی نمایاں مسجد ہے، یہ سہراب خاں نے بعہد عالمگیر بادشاہ بنوائی تھی، اس کی خاص بات یہ ہے کہ یہ مسجد سنگ سیاہ سے بنائی گئی ہے، اس کے ستون بھی سیاہ رنگ کے پتھروں سے تیار کیے گئے، مگر سارے بڑے خوبصورت مجلّٰی اور مصفّٰی ہیں، مسجد کی لمبائی ۳۲ ہاتھ ہے اور عرض ۲۸ ہاتھ۔ اور بلندی پچاس ہاتھ ہے۔

اس کی حالت درست ہے، مسجد آباد ہے اور اس کی معاش جاری ہے، قطعہ تاریخ جو محراب میں نصب ہے یہ ہے۔

درزمان شاہ دین اورنگ زیب
گر بگیتی سایہ اش لطف خداست

بندہ اش از جان ودل سہراب خاں
بانی ایں مسجد نزہت فزاست

شد رقم از بہر تاریخ بنائے
مسجد والا مکاں دل کشاست
۱۰۹۱ھ

(واقعات بیجاپور ج ۳ ص ۴۳)

مصنف کتاب

نام :- محمد ظفیر الدین ولد محمد شمس الدین، موضع پورہ نوڈیہا ضلع دربھنگہ (بہار)

پیدائش :- ۷/ مارچ ۱۹۲۶ء

تعلیم ابتدائی :- وطن، پھر مدرسہ محمودیہ راجپور (نیپال)

تعلیم ثانوی :- فارسی و متوسطات عربی، تا شرح وقایہ۔ مدرسہ وارث العلوم چھپرہ (از ۱۹۳۴ء تا ۱۹۴۰ء)

تکمیل درسیات :- از ھدایہ تا دورۂ حدیث، جامعہ مفتاح العلوم جامع شاہی مئو ناتھ بھنجن (از ۹/ شوال المکرم ۱۳۵۹ھ تا شعبان ۱۳۶۳ھ)

اساتذۂ کرام :- امیر الہند، محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی مدظلہ، مجاھد جلیل، استاذ العلماء مولانا عبد اللطیف نعمانی، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب اعظمی، حضرت مولانا شمس الدین صاحب مئوی، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب مدظلہ، نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ وغیرہم۔

تدریس :- جامعہ مفتاح العلوم مئو، مدرسہ معدن العلوم نگرام ضلع لکھنؤ، دار العلوم معینیہ سانہہ ضلع مونگیر، دار العلوم دیوبند (از ۳/ صفر ۱۳۷۶ھ تا ایندم)

تصانیف :- نظام مساجد، نظام عفت و عصمت، نظام امن، نظام تربیت، نظام تعمیر سیرت، اسوۂ حسنہ (مصائب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم)، تذکرہ مولانا عبد اللطیف نعمانی، تذکرہ مولانا عبد الرشید رانی ساگری، دینی جدوجہد کا روشن باب (امارت شرعیہ) حکیم الاسلام اور انکی مجالس، مشاہیر علماء دیوبند دار العلوم کا قیام اور اس کا پس منظر، تعارف مخطوطات حصہ اول و دوم، فتاوی دار العلوم دیوبند مدلل و مکمل از جلد اول تا جلد دوازدہم، حیات مولانا گیلانی، جرم و سزا کتاب وسنت کی روشنی میں، اسلامی حکومت کے نقش و نگار و دیگر کتب